ماہنامہ

رفیقِ منزل

جلد: ۳۱ | شمارہ: ۶ | جون ۲۰۱۸ء | رمضان المبارک۔ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ

editor@rafeeqemanzil.com

MANAGER
Bilal Khan 9029194433
managerrmgp@sio-india.org

₹15 | سالانہ ₹160

D-300, Abul Fazl Enclave Jamia Nagar, Okhla New Delhi - 110025 | Tel: 26949817 | Email:managerrmgp@sio-india.org | www.rafeeqemanzil.com

Printed on behalf of The Students Islamic Organisation ofIndia, Printer & Publisher Tanveer Alam, Printed at Bharat Offset, 2034/35, Qasim Jan Street, Ballimaran, Delhi - 110006, Published from 230, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025 | **Editor : Mustajab Khatir**

ڈاکٹر وقار انور

علم اور عمل کی مطابقت

(إِنَّکُمْ) اَصْبَحْتُمْ فِی زَمَانٍ کَثِیْرٍ فُقَهَاؤُہٗ، قَلِیْلٍ خُطَبَاؤُہٗ، قَلِیْلٍ سُؤَّلُهٗ کَثِیْرٍ مُعْطُوہٗ، اَلْعَمَلُ فِیْهِ خَیْرٌ مِنَ الْعِلْمِ وَسَیَأْتِیْ زَمَانٌ قَلِیْلٌ فُقَهَاؤُہٗ کَثِیْرٌ، خُطَبَاؤُہٗ کَثِیْرٌ، سُؤَّلُهٗ قَلِیْلٌ مُعْطُوہٗ، اَلْعِلْمُ فِیْهِ خَیْرٌ مِنَ الْعَمَلِ۔

(عن حرام بن حکیم، عن عمہ عبداللہ بن سعد: السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۸)

’’تم ایسے زمانے میں ہو جس میں فقہاء زیادہ ہیں، خطباء کم ہیں، سوال کرنے والے کم ہیں، دینے والے زیادہ ہیں۔ اس وقت عمل علم سے بہتر ہے۔ اور عنقریب ایسا زمانہ آئے گا جس میں فقہاء کم ہوں گے، خطباء زیادہ ہوں گے، سوال کرنے والے زیادہ ہوں گے، دینے والے کم ہوں گے، اُس وقت علم عمل سے بہتر ہوگا۔‘‘

آں حضرت ﷺ کی یہ حدیث صحیح ہونے کے بعد بہت مقبول نہیں ہے۔ جب کہ اس میں دین کی ایک بہت ہی بنیادی بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ علم کو عمل پر فوقیت حاصل ہے اس لیے جب علم کی بہتات ہو تو عمل پر توجہ دینی چاہیے تا کہ علم بے عمل نہ رہ جائے اور دونوں میں مطابقت پیدا ہو جائے۔ دوسری طرف اگر بغیر علم کے عمل ہونے لگے تو علم کی طرف توجہ دینی چاہیے تا کہ عمل، علم کے مطابق ہو جائے۔

اس حدیث میں دو زمانوں کے حالات کا موازنہ کر کے ہر ایک کے طرزِ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک زمانہ دورِ نبوی کا ہے اور دوسرا بعد کا (جیسے کہ ہمارا زمانہ)۔ پہلے زمانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وافر علم موجود تھا اور اس کی وجہ سے دین کی سمجھ رکھنے والے افراد یعنی فقہاء اور دین کے علم کے مطابق اس کی تشریح کرنے اور علم دین کے موتی بکھیرنے والے افراد جن کو اس حدیث میں معطوہ (عطا کرنے والے) کا خوبصورت نام دیا گیا ہے، کثرت سے موجود تھے۔ اس کے نتیجے میں علم کے بغیر یا اس کی کمی کے ساتھ زورِ خطابت سے تعبیر و تشریح کرنے والے جن کا ذکر اس حدیث میں ناگواری کے انداز میں خطباء (مقررین) کے نام سے کیا گیا ہے، بہت کم تھے۔ اس ماحول میں اس بات کی ضرورت تھی کہ عمل پر توجہ دی جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عمل صالح اتنا زیادہ کیا جائے کہ وہ علم کے مطابق ہو جائے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ دورِ نبوی میں اصحاب کرام نے آں حضرت ﷺ کے مشورہ کے مطابق اس طرح عمل ہوئے کہ نہ کوئی علم بغیر عمل رہا اور نہ کوئی عمل بغیر علم رہا اور دونوں لازم و ملزوم بن گئے۔

بعد کے ادوار میں صورتحال تبدیل ہوگئی اور اس حدیث میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ علم کم ہو گیا اور اس کمی کے باوجود خطابت بڑھ گئی اور اس کے نتیجے میں علم کی طلب رکھنے والے سائل کمیاب ہو گئے جب کہ بغیر سوال اور کم علم کے ساتھ درس دینے والے اور فتویٰ رسید کرنے والے افراد پیدا ہو گئے۔ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اس کا جواب (بلکہ حکم) آقا ﷺ نے اس طرح دیا ہے کہ علم کی طرف توجہ دی جائے۔

دراصل یہ حدیث دو متضاد فتنوں سے بچنے کی تعلیم دیتی ہے۔ ایک یہ کہ آدمی کے پاس علم تو ہو اور وہ اس کے مطابق دوسروں تک علم کی ترویج و اشاعت کا کام بھی کر رہا ہو لیکن اس کا عمل اس کے علم کے مطابق نہ بنے بلکہ اس کا ثبوت نہ بنے۔ یہ چیز افراد اور اقوام دونوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں رسوائی تک لے جانے والی ہے۔

دوسرا فتنہ یہ ہے کہ کم علم کے بعد عمل کیا جائے اور دین کی تعبیر و تشریح کو اپنا مشغلہ بنا لیا جائے۔ علم کم ہوگا تو علم کے طالب (سائل) بھی کم ہوں گے اور کم علم واعظ جو جہل پھیلا رہے ہوں گے اس کا وبال خود ان پر اور پورے ماحول پر آ کر رہے گا۔ ویسے حالات میں اصلاح حال کی صورت یہی ہے کہ درست علم حاصل کیا جائے اور ایسے اعمال سے پرہیز کیا جائے جن کے ثبوت میں علم نہ ہوں۔ دین اسلام کی بنیاد پختہ علم اور اس کے مطابق واضح عمل پر اٹھائی گئی ہیں۔ یہاں جہل اور بے علم عامل کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ عالم بغیر عمل ہو اور نہ عامل بغیر علم ہو۔

بیرون ملک تعلیم کے مواقع

گذشتہ سال قارئین رفیق کی خدمت میں ہم نے ایک شمارہ بیرون ملک تعلیم سے متعلق پیش کیا تھا۔ اُس شمارے میں اعلیٰ تعلیم کے دنیا کے سب سے مشہور اداروں اور ملکوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ ان ملکوں میں سائنس اور سماجی علوم سے متعلق کیا رجحانات موجود ہیں اس کا بھی اجمالی تعارف پیش کیا گیا تھا۔ لیکن ان ملکوں میں تعلیم کا حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بہت اعلیٰ اکیڈمک ریکارڈ اور خوب پیسہ درکار رہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر بڑے کلچرل شاکس لگنے کا یہاں امکان موجود ہے۔ یہاں یہ بات کہنا بے حد ضروری ہے کہ ان مشاکل کے علی الرغم یہاں تعلیم حاصل کرنا ناممکن نہیں ہے۔ سخت محنت اور عمدہ پلاننگ کے ذریعے دنیا کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیز میں تعلیم ضرور حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس شمارہ میں ہم نے اسی بحث کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ اس دفعہ ہم نے ان ملکوں میں اعلیٰ تعلیم کی صورتحال کا تذکرہ کیا ہے جہاں جاکر تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں لوگ زیادہ غور نہیں کرتے۔ ایک نیا رجحان اس وقت ہندوستان میں پیدا ہورہا ہے، جس میں طلباء روس، چین، جاپان، آسٹریلیا، ملیشیا، ترکی، ایران اور سعودی عرب جاکر تعلیم حاصل کرنے کے مواقع تلاش کررہے ہیں۔ یہاں تعلیم کا حصول کم از کم تین فائدے دیتا ہے۔ ایک، ہندوستان کے تعلیمی انفراسٹرکچر کے مقابلہ یہاں زیادہ بہتر سہولیات دستیاب ہیں۔ دو، یورپی اور امریکی اداروں کے مقابلے میں یہ کافی سستے کورسیس فراہم کرتے ہیں۔ تین، ہندوستان میں موجود تعلیمی مسابقت سے بچنے کا مناسب موقع یہاں مل سکتا ہے۔

ملک سے باہر تعلیم حاصل کرنے کے اپنے مزے ہیں۔ نئی تہذیب وثقافت سے سابقہ، قوموں اور قبیلوں کے مزاجوں اور ان کے اجزائے ترکیبی کو سمجھنا، نئے حالات کا سامنا کرنے کی استعداد پیدا کرنا، آزادی اور ذمہ داری کے ساتھ فیصلے لینا، وغیرہ وہ فوائد ہیں جو مقام کی قید سے آزاد ہوکر جغرافیہ چھانتے پھرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک ایسے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے نتیجے میں جہاں آپ سے کئی گنا ذہین لوگ موجود ہوں، اور علمی دنیا کی قیادت انجام دے رہے ہوں اس بات سے واقفیت ہوتی ہے کہ فی الواقع اسلام کے غلبہ کے لئے کس قسم کی علمی کوششوں کی ضرورت ہے۔ مسلم طلباء میں اس احساس زیاں کا پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی کے ذریعے ان میں علم کی وہ پیاس پیدا ہوگی، جس کو پورا کرنے کی شعوری کوشش کی جائے تو عجب نہیں کہ ملک کے خزانوں کی حفاظت وامانت کا دعوٰی کرنے کے قابل بن سکیں۔

ڈیولپمنٹ اور انفراسٹرکچر سے متعلق ہندوستان میں جو مسائل ہیں، ساتھ ہی سماجی ومعاشی سطح پر جو پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں ان کی بڑی وجہ تعلیمی نظام کی خرابی ہے۔ اس نظام کی اصلاح سے متعلق بحث تو ایک الگ چیز ہے لیکن اس نظام کی اصلاح تک ملک وملت کے موجودہ ٹیلنٹ کو خاموشی سے ضائع ہونے دینے کے بجائے، اس کے ارتقاء کے لئے مناسب اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم قدم یہ ہے کہ مخصوص طلباء کو ہی سہی لیکن انہیں زیادہ موثر اور نتیجہ خیز نظام تعلیم میں سیکھنے کا موقع دیا جائے، تاکہ وہ ان سے مستفید ہوں اور ملک میں انسانیت کی خدمت انجام دے سکیں۔

معاشی طور پر کمزور ہونے کے نتیجے میں ملت کی توجہ کسی حد تک معاشی استحکام پر ہے، جس کا مظہر مسلم نوجوانوں کا نسبتاً بڑی تعداد میں عرب ممالک، امریکہ، وغیرہ میں پیسے کمانے کے لئے جانا ہے۔ یہ ہمارے معاشرہ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تعلیم سے متعلق ملت بڑے عرصے تک غافل رہی۔ یکے از بعد دیگرے ملت کے زعماء نے تعلیمی بیداری کے لئے ادارے قائم کیں اور تحریکات چلائیں؛ جس نے غفلت سے جگانے کا کام کیا اور تعلیمی بیداری کی جانب متوجہ کیا۔ آج بھی یہ کام جاری ہے لیکن اس کے لئے کئے جارہے اقدامات، مطلوبہ تقاضوں کے شایان شان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملت میں تعلیم کے حصول کے لئے بیرون ملک جانا کبھی بحث کا موضوع نہ بن سکا، کجا کہ اس جانب کوئی عام رجحان بن سکے۔ مسلم نوجوان اگر پیسے کمانے کے لئے تکلیفوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے بیرون ملک جاسکتے ہیں تو حصول تعلیم کے مقدس فریضے کی ادائیگی کے لئے بیرون ملک جانا بدرجۂ اولیٰ ایک بہتر کام ہے۔

بڑے فیصلوں کے لئے صرف خواہش کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بلند عزائم، مضبوط حوصلے، شوق وجذبے کے ساتھ خود اعتمادی کا ہونا ضروری ہے۔ اس اعتبار سے بیرون ملک تعلیم، آسان کام تو نہیں ہے لیکن سنجیدہ طور پر علمی میدان میں دین کی خدمت انجام دینے کے خواہش مند طلباء کے لئے نہایت اہم ہے۔ ویسے بھی جو کام آسانی کے ساتھ کئے جاسکتے ہیں، ان کے ذریعے بڑی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔

رمضان کے بعد کیا؟

رمضان کے بعد کیا؟ وہی پرانی زندگی یا مقصدیت پر مبنی عزم سے بھرپور متحرک زندگی؟ یہ وہ سوال ہے جس پر ابھی سے (اختتام رمضان سے پہلے) سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سوچنے اور غور وفکر کا یہ کام رمضان کی اصل روح کو سمجھے بغیر قطعاً نہیں کیا جاسکتا۔ نزول قرآن کا یہ مبارک مہینہ فی الحقیقت فکر کی آبیاری کا مہینہ ہے۔ وہ فکر جو قرآن ہمیں دیتا ہے اور جو اسلام کی بنیاد ہے۔ دنیاوی زندگی کی ناپائیداری، آخرت کی ہیشگی اور خلافت ارضی کا منصب۔ قرآن کی اس روح، اس کے بنیادی پیغام کو سمجھے بغیر محض ''رسمی عبادتوں'' سے رمضان کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ رمضان کے دوران چھوٹی نیکیاں اور چھوٹے موٹے ثواب کے کام، اگر امت کو فکر کی آبیاری کی جانب توجہ سے محروم کردیتے ہیں تو یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ لہٰذا اہم یہ ہے رسمی عبادات سے اوپر اٹھ کر فرد اپنے مقصد وجود پر غور کرے، اپنے اعمال ومعمولات پر نظر دوڑائے، غور وفکر کا داعیہ اپنے اندر پیدا کرے اور تبدیلی کو جنم دے۔ اللہ کے نبی کے اس ارشاد سے جس میں رسول اللہ نے رمضان کی راتوں میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کی تلقین کی ہے، اس بات کی شہادت ملتی ہے۔ غور وفکر اور تدبر کا یہ مزاج اگر حاصل ہوجائے تو اس سے بڑھ کر رمضان کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

علامہ اقبال نے 'جاوید نامہ' میں جہاں دوست اور پیر رومی کے مکالمے میں بڑی زبردست بات کہی۔ اقبال لکھتے ہیں:

گفت مرگ عقل؟ گفتم ترک فکر　　　گفت مرگ قلب؟ گفتم ترک ذکر

پوچھا کہ عقل کی موت کیا ہے؟ جواب ملا کہ جب فکر سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے۔ پوچھا دل کی موت کے کیا اسباب ہیں؟ کہا کہ اللہ کی یاد سے غفلت برتنا۔

وہ فکر جو انسان کو لگاتار عمل پر ابھارے، متحرک رکھے، عزم اور حوصلہ کو مضبوط تر کرے۔ ایسی فکر کو سمجھنا، اپنے اندر پیدا کرنا اور ترقی دیتے جانا اصل مطلوب ہے۔ فکر کو فراموش کرنے کے نتیجے میں عقل کی موت واقع ہوجاتی ہے اور انسانی زندگی اصل مقصد کے اطراف گھومنے کے بجائے غیر ضروری اور غیر اہم باتوں کے درمیان محوِ گردش رہتی ہے۔ اس کج روی کے ساتھ خلافت ارضی کا فریضہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔

رمضان کو تربیت کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ یہ صرف روحانی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ فکری اعتبار سے بھی انسان کی تربیت کرتا ہے بشرط یہ کہ اس کی روح کو سمجھا جائے۔ تربیت کا بنیادی عنصر، اس مقصد کی شناخت اور اہمیت کا استحضار ہے جس کے لئے تربیت کی جارہی ہے۔ مقصد سے بے نیاز ہوکر تربیت کرنے سے زیادہ احمقانہ حرکت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ بعد از رمضان باقی رہنے والی تبدیلی کے عزم کے بغیر رمضان کی عبادتوں کو کافی سمجھ لیا جائے؟

ظاہر پرستی کے نتیجے میں امت میں جو بگاڑ در آیا ہے اس میں ایک اہم وجہ رمضان کو بھی محض عبادات (روایتی معنوں میں) کا مہینہ سمجھ لینا اور دیگر تقاضوں سے روگردانی کرنا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں پیارے نبی ﷺ نے کہا تھا کہ اللہ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ ہو، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ یقیناً رمضان میں کثرت عبادات کی تلقین کی گئی ہے لیکن یہ عبادات، بقیہ گیارہ مہینوں کے کفارہ یا ان مہینوں میں عبادتوں سے بے نیاز کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ عبادات کو نئی روح اور تازگی بخشنے کے لئے ہوتی ہے۔

ایک اہم بات قرآن سے تعلق کے حوالے سے بھی ہے۔ رمضان میں امت نے کم از کم سننے کے حوالے سے قرآن سے تعلق کو استوار کر رکھا ہے۔ گو کہ فہم قرآن کے حوالے سے امت بیداری کی جانب بڑھ رہی ہے۔ لیکن اس کی رفتار اب بھی بہت دھیمی ہے۔ یہ رفتار موجودہ زمانے کے تقاضوں سے بالکل بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر مطمئن ہوکر بیٹھے رہنے کے بجائے مزید سرعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

غرض رمضان سے حاصل شدہ زاد راہ نہایت قیمتی ہے۔ اگلے گیارہ مہینوں تک اس کی حفاظت اور استعمال فرد کے ذاتی ارتقاء اور امت کی فلاح کے لئے ضروری ہے۔ اسی کے نتیجے میں ممکن ہے کہ ہم اگلے رمضان تربیت کے اگلے مرحلے کی جانب بڑھ سکیں۔ ترقی کرتے جائیں۔ ورنہ حالت جوں کا توں برقرار رہی تو یاد رکھنا چاہیئے کہ جمود زوال یافتہ قوم کا شعار ہوتا ہے۔

قارئین اپنے تاثرات، مشورے اور تجاویز ارسال کریں۔

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اردو ماہنامہ رفیقِ منزل کا مئی ۲۰۱۸ء کا شمارہ بہت ہی تاخیر سے یعنی ۳۰ مئی ۲۰۱۸ء کو زیر مطالعہ آ سکا۔ تمام مضامین پسند آئے۔ ڈاکٹر وقار انور صاحب کی تذکیر بعنوان 'راستہ کا حق' سے علم میں اضافہ ہوا۔

جناب سعود فیروز اعظمی نے اپنے گزشتہ مقالہ 'جدید ڈیموکریسی اور اسلام: ایک مطالعہ' پر ڈاکٹر سلیم خان کی جوابی تحریر پر مقالہ نگار کا استدراک نے جہاں ایک جانب میری بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا وہیں بعض نئے سوالات بھی وجود میں آ گئے۔ اعظمی صاحب کے مقالات کا دوبارہ مطالعہ شائد ان سوالات کے جواب فراہم کر سکیں بصورت دیگر اپنے سوالات کا اظہار کروں گا۔ جمہوریت کے تعلق سے میرا موقف آج بھی یہی ہے کہ یہ ایک نہ صرف غیر اسلامی نظامِ سیاست بلکہ اسلام مخالف نظامِ سیاست بھی ہے۔

زیر نظر شمارہ میں تذکیر کے بعد سب سے زیادہ کشش مولانا سید جلال الدین عمری صاحب سرپرست اعلیٰ اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے ولولہ انگیز 'زادِ راہ' میں ہے۔ بیرونِ ملک روزگار کی وجہ سے فروری ۲۰۱۸ء میں ایس آئی او آف انڈیا کی نئی دہلی میں منعقدہ کل کانفرنس میں غیر حاضری کا رنج ہمیشہ رہے گا۔ والسلام

صاحب عالم انصاری، دولت الکویت

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں!

ہمت، حوصلہ، شجاعت، بہادری اور دلیری جیسی عظیم صفات موجودہ دور کے کسی خطے میں دیکھنی ہوں تو فلسطینی مسلمانوں کی طرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگا۔ ان کی بہادری کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو رہی ہیں۔ ان کے بلند عزائم عالم اسلام کے لیے مثال بن گئے ہیں۔ ان کی شجاعت خلفائے راشدین کے دور کی یاد تازہ کراتی ہے۔ ان کی دلیری ہم جیسے کم زور ایمان والوں کے ایمان کو تر و تازہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ مادیت کے اس دور میں ایسے بہادروں کو دیکھ کر یقین نہیں ہوتا کہ دنیا میں ایسے بلند حوصلہ انسان بھی رہتے ہیں۔ کس مٹی کے بنے ہیں یہ لوگ؟ کیسے ہیں یہ انسان؟ کس چیز نے انھیں ایسا بنا دیا کہ بغیر اسلحہ کے ننگے بدن ظالم اسرائیل کی اسلحہ سے لیس اور منظم فوج کے سامنے سینہ تان کر یوں کھڑے ہو جاتے ہیں، گویا کہ رہے ہوں۔

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں ... تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

حال میں ظالم و جابر امریکہ نے ایک مرتبہ پھر اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکی سفارت خانے کو تل ابیب سے یروشلم منتقل کر دیا ہے۔ اس غاصبانہ قبضے کے خلاف تمام جواں حوصلہ فلسطینیوں نے زبردست احتجاج بلند کیا اور امریکہ کے اس فیصلے کی پر زور مخالفت کی۔ اس احتجاج کو روکنے کے لیے ظالم اسرائیلی فوجیوں نے نہتے فلسطینیوں پر حملہ کر دیا، ان پر فائرنگ کی، گولے برسائے اور توپیں داغیں۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق اس احتجاج میں اب تک تقریباً ساٹھ (60) افراد شہید اور تین ہزار (3000) زخمی ہو چکے ہیں۔

ارض فلسطین پر ظلم و ستم اور بربریت کی یہ کہانی کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اس کی تو نہ ختم ہونے والی ایک مسلسل داستان ہے، جس میں ہزاروں بے گناہ معصوم فلسطینی جام شہادت نوش فرما چکے ہیں، لاکھوں مصیبتوں و پریشانیوں کا شکار ہیں، ہزاروں معصوم بچے گولیوں سے چھلنی ہو چکے ہیں۔ ان سب کے باوجود نہ تو ان کے ماتھوں پر شکن ہے اور نہ ان کے بلند حوصلوں میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے۔ فلسطین میں بسنے والے تمام افراد جس میں بزرگ، نوجوان، مرد و خواتین حتی کہ بچے بھی شامل ہیں۔ وہ ارض فلسطین پر اپنی جانوں کو قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے جو ان نہتے لوگوں کو، اسلحہ سے لیس ظالم اسرائیلی فوجیوں کے آگے صرف ایک معمولی غلیل کے سہارے کھڑے ہونے کی قوت عطا کرتا ہے۔ وہ نہ تو ظالم اسرائیل کی توپوں سے خوف کھاتے ہیں اور نہ ہی امریکہ کی گیدڑ بھبھکیوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ اپنی پیشانیوں پر توحید کا پرچم باندھ کر نکلتے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ خداوند قدوس ان کی ان عظیم قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا اور جلد ہی ارض فلسطین پر آزادی کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔

محمد اسعد فلاحی

ترکی میں تعلیم کے نئے مواقع

انصاری سلیم، بنگلور

گزشتہ کچھ دہائیوں کے اندر کئی اہم سماجی، تکنیکی و معاشی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ البتہ موجودہ صورتحال کا اہم اور منفرد پہلو یہ ہے کہ اب یہ تبدیلیاں ملکی سطح پر مؤثر ہونے کے علاوہ انفرادی اور چھوٹے گروہوں کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بنی ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے علم کے چشمے اب باہم ایک دوسرے سے مربوط ہو گئے ہیں اور علمی لیاقت رکھنے والے افراد ان سے فیض حاصل کر رہے ہیں، اب بین الاقوامی تعلیم دنیا بھر کی لسانی اور مذہبی اکائیوں، تمدنوں کے ربط باہمی کا ایک اہم ذریعہ بن چکی ہے۔ تفہیمِ نظریات، شخصی ارتقاء، ذہنی وفکری ترقی اور پیشہ وارانہ مہارت کے لیے بین الاقوامی تعلیم کی اہمیت مسلم ہے۔

ترکی میں مواقع کی موجودگی:

کچھ عرصہ قبل تک یہ دیکھا جاتا رہا ہے کہ ہندوستان کے طلباء کی ایک بڑی تعداد کسب علم کی غرض سے مغربی ممالک کا رخ کرتی ہے۔ جن میں شمالی امریکہ، یوروپ اور آسٹریلیا طلباء کی خاص ترجیحات ہیں۔ لیکن اب داخلے کے لیے طلباء کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، نتیجتاً مسابقت بھی بڑھ گئی ہے۔ علاوہ ازیں ان مقامات پر تعلیم کا خرچ بھی پہلے کہیں زیادہ ہوگیا ہے۔ اس صورتحال میں طلباء نے اب چند ایسے متبادل کو تلاش کرنا شروع کر دیے ہیں جہاں تعلیم قدرے کم اخراجات کے ساتھ جاری رکھی جا سکے البتہ معیار (Quality) کے ساتھ کوئی مصالحت (Compromise) نہ ہو۔ ترکی بھی انہی مقامات میں سے ہے، جہاں اعلیٰ اور معیاری تعلیم حاصل کرنے کے لیے طلباء کی خاصی تعداد رخ کرنے لگی ہے۔

اب بین الاقوامی طلباء کی تعداد جو کہ ترکی کا رخ کر رہی ہے، سال ۲۰۰۶ء کے مقابلے میں دوگنی ہو چکی ہے۔ یہ اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ یہ ملک اعلیٰ تعلیم کی ایک اہم منزل کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کر رہا ہے۔ تعلیمی سال ۲۰۱۵-۱۶ء میں ترکی کے اندر ۸۰۰۰ ۴ ہزار بیرونی طلباء زیرِ تعلیم تھے۔ ترکی میں نسبتاً کم خرچ پر ملنے والی تعلیم، معیاری تعلیم، وظیفے، ٹیوشن فیس، صحت انشورنس اور سفر کی سہولیات جیسی مراعات خاص طور پر طلباء کو راغب

کرتی ہیں۔ یوں بھی ترکی سیاحت کے میدان میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ سال ۲۰۱۵ء کے مطابق یہاں ۴۰ ملین سیاح آئے تھے۔ ترکی حکومت کی کوشش یہ ہے کہ وہ اس ملک کو بین الاقوامی تعلیمی مرکز کے طور پر متعارف کرائے۔یعنی سال ۲۰۱۸ تک تقریباً ایک لاکھ بین الاقوامی طلباء یہاں زیرِتعلیم ہوجائیں۔

باوجودیکہ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں کچھ چیلینجز بھی ہیں۔ترکی گزشتہ چند برسوں سے بین الاقوامی طلباء کی ایک اہم منزل قرار پاچکا ہے۔خاص کر مرکزی ایشیاء، مشرقِ وسطیٰ سے طلباء کی بڑی تعداد یہاں کا رخ کر رہی ہے۔ ترکی حکومت کی کوشش یہ بھی ہے کہ وہ ملک کی معاشی سطح کو اوپر اٹھانے کے لیے بین الاقوامی روابط کو فروغ دے۔اس سلسلے میں وہ پڑوسی ممالک کے لیے ویزا کی فراہمی میں آسانی کی کوشش بھی کر رہی ہے۔علاوہ ازیں ترکی کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ اس کو یوروپ اور ایشیا کے مابین آمدورفت کا ایک اہم Gateway راستہ تصور کیا جاتا ہے۔چنانچہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ترکی ایک پرکشش مقام بنتا جارہا ہے۔

بیرون ملک طلباء کی حوصلہ افزائی

گزشتہ چند برسوں میں ترکی کی حکومت بین الاقوامی روابط کے فروغ کی پرزور حامی کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔ وزارت برائے بین الاقوامی طلباء کے مطابق سال ۲۰۲۳ تک تقریباً ۲ لاکھ بین الاقوامی طلباء کی میزبانی حکومت کے منصوبے میں شامل ہے۔اب تک AKP حکومت سال ۲۰۱۴ء میں ۹۶ ملین امریکی ڈالر بین الاقوامی طلباء اسکالرشپ پروگرام کے لیے متعین کرچکی ہے، جو کہ اب تک وظیفہ پر خرچ ہونے والا سب سے کثیر سرمایہ ہے۔ بین الاقوامی طلباء کا تناسب جو کہ حکومت کی جانب سے طے کیا جاتا ہے اس میں خاصا اضافہ کیا گیا ہے، تاکہ طلباء کی بڑی تعداد داخلے لے سکے۔یونیورسٹیاں عام طور سے بین الاقوامی طلباء کے داخلے میں کافی فراخدلی کا مظاہرہ کرتی ہیں جبکہ پرائیویٹ یونیورسٹیاں اس سلسلے میں مزید پیش پیش رہتی ہیں اور زیادہ مستعدی سے داخلہ کے طلب گاروں کا خیر مقدم کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں کونسل آف ہائر ایجوکیشن کی سائٹ بعنوان اسٹڈی ان ترکی بین الاقوامی طلباء کومدنظر رکھتے ہوئے ترکی کی یونیورسٹیوں کی تشہیر کررہی ہے۔

تجارت اور اسکالرشپ فنڈنگ کو بڑھانے کے لیے ترکی حکومت دیگر بین الاقوامی یونیورسٹیوں کے ساتھ شرکت میں تعاون کررہی ہے اور حال ہی میں ویتنام کوایک نئی تعلیمی منزل کی حیثیت سے متعارف بھی کرایا ہے۔

Turkish Universities Promotion Agency کی جانب سے فراہم ہوئے اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۰۲ء سے ۲۰۱۴ء تک کے عرصہ میں ترکی میں بین الاقوامی طلباء کی تعداد میں ۷۷ فیصد اضافہ درج کیا گیا جو کہ ڈگری اور نان ڈگری پروگراموں میں زیرِ تعلیم تھے۔

زیرِ ربط ممالک

انگریزی زبان کا بڑھتا استعمال کچھ بین الاقوامی طلبا کے لیے کشش رکھتا ہے۔ حالانکہ ثقافی اور لسانی روابط کی بنا پر وسط ایشیا اور کوکاسس کے طلباء ترکی آنا پسند کرتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں میں بہرحال قریبی ممالک کے طلباء زیادہ تھے مثلاً یو آئی ایس کے اعداد وشمار میں بتایا گیا ہے کہ سال ۲۰۱۴ء کے دوران ترکمانستان سے ۶۸۶۱ طلباء، آذربائجان سے ۶۷۰۳ اور ایران سے ۲۶۶۴ طلباء ترکی آئے۔ امریکہ کے بعد ایرانی طلباء ترکی کو ترجیح دیتے ہیں۔ آج کل امریکہ نے ایرانیوں کے لیے ویزا میں دشواریاں پیدا کردی ہیں چنانچہ ایرانی طلباء ترکی کا رخ کررہے ہیں۔ دیگر مرکزی ایشیا کے ممالک جیسے افغانستان، کرگستان اور تزاکستان اور دیگر علاقے جیسے یونان، روس اور نائجیریا وغیرہ ان ۹۳ ممالک میں سے ہیں جو کہ ترکی یونیورسٹیوں میں اپنے طلباء کو بھیج چکے ہیں۔ جن یونیورسٹیوں میں یہ طلباء بڑی تعداد میں زیرِ تعلیم ہیں ان میں استنبول یونیورسٹی، انکارا یونیورسٹی اور مرمرا یونیورسٹی قابلِ ذکر ہیں۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ سال ۲۰۱۷ء کے آخر تک گریٹ برٹین کے یورپین یونین سے علاحدہ ہوسکتی ہے، اس صورتحال سے بیرونی طلباء کے خلاف تعصب میں اضافہ ہوا ہے، علاوہ ازیں عالمی سطح پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رویے نے اس امر کو مزید غیر یقینی بنادیا ہے کہ وہ آئندہ مسلم اکثریت والے ممالک کے طلباء کی آمد کو گوارہ کرے گا۔ ان عوامل کی بنا پر ترکی میں بین الاقوامی طلباء کے اندراج کا امکان مزید بڑھ جاتا ہے۔ تاہم ترکی کا حالیہ تعلیمی منظر نامہ .E.U کے ساتھ کمزور ہوتے تعلقات کی وجہ سے تعلیمی فضا کی آزادی کو مجروح کررہا ہے۔ حکومت کے بعض سخت اقدامات کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ باہر کے طلباء کی آمد متاثر ہوگی اور ریسرچ کے لیے بین الاقوامی تعاون اور امداد میں بھی کمی آئے گی۔ جس سے معیار متاثر ہوسکتا ہے۔

یونیورسٹیوں کا قیام

فی الوقت ترکی میں ۲۰۰ یونیورسٹیاں ہیں جن میں زیادہ تر حکومت کی زیرنگرانی ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک یہاں صرف آٹھ سرکاری تعلیمی ادارے تھے۔ جبکہ ۱۹۸۴ء میں پہلی پرائیویٹ یونیورسٹی قائم کی گئی۔ یونیورسٹیوں کے اس وسیع جال میں سب سے نئی دانش گاہ Antalya International University ہے جو کہ ۱۳-۲۰۱۲ء میں قائم کی گئی۔ اس یونیورسٹی کا مقصد یہ بھی ہے کہ طلباء کی نصف تعداد ترکی سے باہر کی ہو۔

پبلک اور نجی یونیورسٹیوں کو Bologna معاہدہ کے مطابق اپنے ڈگری پروگراموں کو یورپ کے معیار کے مطابق لانا ضروری ہے۔ زیادہ تر ترکی یونیورسٹیاں Erasmus Program میں بھی حصہ لے رہی ہیں جو کہ International Student Exchanges میں معاونت کرتا ہے۔

ترکی میں ۷ علاقے اور ۸۱ صوبے ہیں جو کہ مرکزی حکومت کے تحت آتے ہیں۔ زیادہ تر تعلیمی پالیسیاں قومی حکومت انکارا کے ذریعے وضع کی جاتی ہیں۔ قومی وزارت برائے قومی تعلیم تمام سطحوں کے لیے پالیسیاں وضع کرتی ہے اوران کی نگرانی کرتی ہے۔ اس وزارت کے ذریعہ ہرصوبہ میں ایک صدر مقرر کیا جاتا ہے جو کہ صوبائی ذمہ داروں کی زیرنگرانی اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ اس لیے اسکولوں اور مقامی اداروں کو برائے نام آزادی حاصل ہوتی ہے۔

۱۹۸۱ء میں ملٹری حکومت نے Comprehensive Higher Education Law (اعلیٰ تعلیم کے لیے ضابطہ) وضع کیا تھا۔ اس وقت سے اعلیٰ تعلیمی ادارے (پبلک) کونسل آف ہائر ایجوکیشن کی زیرنگرانی آتے ہیں۔ یہ کونسل تعلیمی معاملات کی منصوبہ بندی کو مربوط کرتی ہے اور نگرانی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کونسل ایجوکیشن بجٹ (تعلیمی بجٹ) اور Curriculum Guidelines بھی طے کرتی ہے۔

YOK اصلاً ایسا ادارہ ہے جو کہ اپنے آپ میں خودمختار ہے اور حکومت کی زیرنگرانی میں نہیں ہے۔ لیکن حکومت کے ناقدین کا دعویٰ ہے کہ یہ کونسل حقیقتاً آزاد نہیں ہے بلکہ حکومتیں اس کو اپنے ایجنڈے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً ۲۰۱۶ء میں حکومت کے خلاف ناکام بغاوت ہوئی تو کونسل نے ملک کی ۱۵۷۷ یونیورسٹیوں کے ڈین حضرات سے کہا کہ جمہوریت کی خاطر وہ اپنے منصب سے مستعفی ہوجائیں۔

۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ تک کے شروع میں لگنے والی پابندی کے بعد پرائیویٹ یونیورسٹیاں پھر سے بحال کردی گئی تھیں۔ یہ دور Neo-liberal economic era کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس وقت سے نجی اداروں کو حکومت کی زیرنگرانی مالی منفعت کی بنیاد پر کام کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ ان نام نہاد اوقاف یونیورسٹیوں کا نصاب YOK کی اجازت کے بعد ہی نافذ ہوتا ہے۔ ۱۹۸۴ء میں قائم ہونے والی پہلی فاؤنڈیشن یونیورسٹی ایک کامیاب ترکی ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فاؤنڈیشن یونیورسٹیاں دو قسم کی ہیں یعنی تحقیقی اور تدریسی ان پر نافذ ہونے والے حکومتی قوانین نسبتاً کم ہیں۔ سرکاری یونیورسٹیوں کے ڈین کو حکومت مقرر کرتی ہے جبکہ فاؤنڈیشن یونیورسٹی کے ڈین کو اس یونیورسٹی کے ٹرسٹیوں کا بورڈ مقرر کرتا ہے۔

فاؤنڈیشن یونیورسٹیوں کی ٹیوشن فیس سرکاری اداروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ تقریباً بیس ہزار امریکی ڈالر۔ یہ پبلک ادارے زیادہ تر حکومت کی جانب سے امداد پاتے ہیں اوران کی سالانہ فیس چندسو ڈالر تک ہی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں

یہ ادارے اپنے اساتذہ (فیکلٹی) کو خاصی تنخواہ بھی دیتے ہیں۔ یہاں پڑھنے والے تقریباً ۴۰ فیصد طلباء کو اسکالرشپ بھی ملتی ہے۔ پرائیویٹ ایجوکیشن کے حامیوں کا اصرار یہ ہے کہ فاؤنڈیشن یونیورسٹیاں پبلک اداروں کے بمقابل زیادہ بہتر تعلیم فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا ان یونیورسٹیوں کو مشرقِ وسطیٰ میں ایک رول ماڈل کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ ان اداروں کی درس گاہوں میں عموماً انگریزی ہی میں درس دیے جاتے ہیں اور طریقۂ تدریس بھی ایسا ہے جس میں پروفیسر اور طلباء کے درمیان آزاد مکالمے (Open Interactions) کے مواقع موجود ہیں۔

طلباء کے لیے تعلیمی سہولیات

آبادی کے اعتبار سے دنیا میں ترکی ایک ابھرتا ہوا نیا اور خوشحال ملک ہے۔ لہٰذا تعلیم کے میدان میں اسے مزید آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں اس نے اس سمت خاصی پیش رفت بھی کی ہے۔ Top State (Public) Universities چوٹی کی یونیورسٹیاں جو کہ انگریزی میڈیم میں تدریس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ بین الاقوامی طلباء کے لیے تقریباً ٹیوشن مفت تعلیم کا نظم کرتی ہیں۔ البتہ ان یونیورسٹیوں میں داخلہ کے لیے امتحان دینا ہوتا ہے، علاوہ ازیں انگریزی میں TOEFLIBT یا IELTS کے نتائج میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی .G.P.A بھی بہتر ہونا چاہیے۔ ان پبلک یونیورسٹیوں کی سالانہ تعلیمی فیس ۵۰۰ ڈالر سے ۲۰۰۰ ڈالر کے درمیان ہے جو کہ یونیورسٹی اور پروگرام کے مطابق طے کی جاتی ہے۔ اعلیٰ معیار ہونے کی وجہ سے ان یونیورسٹیوں میں مسابقت بہت زیادہ ہے۔ بین الاقوامی طلبہ کو یہاں داخل ہونے کے لیے YOS امتحان میں کامیابی درج کرانی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں انگریزی زبان میں مہارت ثابت کرنے کے لیے IELTS یا TOEFL میں نمایاں نمبر حاصل کرنے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ہائی اسکول میں اچھے گریڈ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

ترکی کی چوٹی کی فاؤنڈیشن یونیورسٹیوں کا بہت اعلیٰ معیار ہے اور ان کا شمار دنیا کی اچھی یونیورسٹیوں میں کیا جاتا ہے۔ Sobanci، Bilkert University University اور KOC University انہیں میں سے ہیں۔

ان پرائیویٹ یونیورسٹیوں کے داخلہ جاتی امتحان میں خاصی مسابقت پائی جاتی ہے۔ ان یونیورسٹیوں میں داخلے کے لیے YOS امتحان میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ہائی اسکول میں تقریباً ۸۰ فیصد نمبروں کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں بھی انگریزی زبان حصولِ علم اور تدریس کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا IBT، IELTS ، TOEFL میں نمایاں کارکردگی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مزید ایک سال کا عرصہ Universities English Prep Program میں گزارنا ہوگا۔

میڈیکل، ڈینٹسٹری (Dentistry) اور فارمیسی جیسے پروگراموں کی سرکاری یونیورسٹیوں میں خاصی مانگ ہے حالانکہ ان کورسس میں بین الاقوامی طلباء کے لیے کافی کم کوٹا ہے۔ اس کے برعکس پرائیویٹ یونیورسٹیوں میں میڈیکل، ڈینٹسٹری اور فارمیسی پروگراموں میں بین الاقوامی طلباء کے لیے خاصے مواقع حاصل ہیں۔ یہاں داخلہ لینے کے لیے ہائی اسکول میں نمایاں کارکردگی ہونی چاہیے اور تقریباً ۱۰۰۰۰ سے ۲۵۰۰۰ امریکی ڈالر کی رقم یونیورسٹی کے معیار کے مطابق دینی ہوگی۔ یہاں کچھ پروگراموں میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے جبکہ کچھ میں ترکی کو بھی میڈیم کی حیثیت حاصل ہے۔

پچھلے ۱۵ برسوں میں ترکی کے اندر بہت سی پرائیویٹ فاؤنڈیشن یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ اب یہاں تقریباً ۸۰ پرائیویٹ یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر استنبول میں قائم ہیں۔ کچھ یونیورسٹیاں انکارا، Izmir، اور Anatolian Cities میں بھی ہیں۔ شمالی سپرس میں بھی ۸ پرائیویٹ یونیورسٹیاں ہیں جہاں بڑی تعداد میں بین الاقوامی طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔

اگر چوٹی کی پرائیویٹ یونیورسٹیوں میں داخلہ ممکن نہ ہوسکے تو نسبتاً کم مسابقت والی یونیورسٹیاں بھی ہیں جہاں ٹیوشن فیس ۴۰۰۰ ڈالر سے لے کر ۸۰۰۰ ڈالر تک ہے۔ یہاں بھی عموماً انگریزی ہی میڈیم ذریعہ تعلیم ہے۔ جبکہ کچھ اداروں میں ترکی میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے جاتے ہیں۔ ان اعلیٰ سطحی مسابقاتی یونیورسٹیوں کے علاوہ جو کہ میڈیسن، فارمیسی اور ڈینٹسٹری وغیرہ جیسے خصوصی پروگراموں کے لیے اہم ہیں۔ یہاں دیگر میدانوں جیسے انجینئرنگ، تجارت، معاشیات اور سماجی علوم وغیرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے پبلک یونیورسٹیوں میں مواقع حاصل ہیں۔ جہاں پر کچھ یونیورسٹیوں میں ۳۰۰ ڈالر سالانہ سے بھی کم ٹیوشن فیس ہے۔ یہاں زیادہ تر ترکی زبان میں ہی تعلیم دی جاتی ہے اور YOS امتحان پاس کرنا بھی ضروری ہے۔ ترکی میں تعلیم کے ذریعے کامن E-Yos امتحان لیا جاسکتا ہے جو کہ تقریباً ۶۰ سرکاری اور پرائیویٹ یونیورسٹیوں سے تسلیم شدہ ہے۔

طلباء کی ضروریات کی فراہمی

زیادہ تر کیمپس یونیورسٹیاں اقامتی اور دوسری سہولیات بھی مہیا کراتی ہیں۔ یونیورسٹی کی رہائش گاہوں کے علاوہ ریاست بھی تمام طلباء کے لیے Dormitories (رہائش گاہوں) کا انتظام کرواتی ہے۔طلباء کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بہتر جگہ ڈھونڈ کر یونیورسٹی کو مطلع کر دیں۔ بڑے شہروں میں کرائے پر بھی اقامت گاہوں کی سہولت موجود ہے۔ اکثر بین الاقوامی طلباء کے ساتھ یا ترکی کے طلباء کے ساتھ مشترکہ رہائش اختیار کرنی ہوتی ہے، زیادہ تر Dormitories میں کچن کی سہولت بھی مہیا ہے جہاں طلباء اپنا کھانا خود بنا سکتے ہیں۔ یہاں چھوٹے cafetaria بھی ہیں جہاں آدھی رات تک سروس مہیا ہے۔ یہاں لڑکے اور لڑکیوں کے لیے علاحدہ اقامت گاہیں ہیں۔ جہاں پر علاحدہ اور مشترک دونوں طرح کے کمرے مہیا ہیں۔ dormitory میں رہنے سے اندرون کیمپس اور بیرونِ کیمپس ہونے والی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے خاصے مواقع مہیا ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بین الاقوامی سطح پر بہت سارے طلباء سے دوستانہ تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں۔ یہاں پر ایک اوسط درجہ کے کمرے کا کرایہ ۳۰ ڈالر سے ۳۰۰ ڈالر تک سہولیات کے مطابق ہے۔

بڑے شہروں میں کیمپس سے باہر اپارٹمنٹس، کرائے کے کمروں کی قیمتیں کافی زیادہ ہیں یہ قیمتیں ضلع، سائز اور کوالٹی کے حساب سے کم اور زیادہ بھی ہوتی رہتی ہیں۔ زیادہ تر طلباء کے لیے واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کریں۔ اس طرح کے بیرونِ کیمپس اپارٹمنٹ ۲۰۰ ڈالر سے ۴۰۰ ڈالر تک کے کرائے پر مل جاتے ہیں۔ بین الاقوامی طلباء کا رہائشی ماہانہ خرچ عام طور سے ۳۰۰ تا ۴۰۰ یو ایس ڈالر ہے جو کہ رہائش کے معیار پر منحصر کرتا ہے۔ کتابوں اور غیر تدریسی فیس ۱۰۰ تک ۱۵۰ ڈالر فی سمسٹر ہے۔

آمدورفت اور علاج

ترکی میں پبلک آمدورفت کا بہت معقول نظم ہے۔ منی بس، بس اور subway وغیرہ کی سہولت ہر بڑے شہر میں مہیا ہے۔طلباء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اندرون شہر اور انٹرسٹی (بیرونِ شہر) نسبتاً کم خرچ پر سفر کرسکیں۔

ترکی کی تمام ہی یونیورسٹیوں میں میڈیکل سینٹرس قائم ہیں۔ تاہم بین الاقوامی طلباء کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ہیلتھ انشورنس پالیسی کے ساتھ ہی ترکی کا رخ کریں۔ بین الاقوامی طلباء کو صحت اور میڈیکل کا خرچ خود ہی برداشت کرنا ہوتا ہے، جبکہ ہیلتھ سینٹر یونیورسٹیوں کے تحت نہ آتا ہو، تمام اسپتالوں میں ایک ایمرجنسی کمرہ ہوتا ہے جو کہ ۲۴ گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ یہاں طبیب اور معالج، اور عطار کال کرنے پر مہیا ہو جاتے ہیں۔

جو طلباء ترکی میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، انھیں Turkish Consulate سے ویزا لے لینا چاہیے کیونکہ کالج اور یونیورسٹی میں داخلے کے وقت اسٹوڈینٹ ویزا ضروری ہوتا ہے۔ترکی آمد کے بعد ایک مہینے کے وقفے میں اقامتی اجازت نامہ حاصل کر لینا چاہیے۔ یہ اجازت نامہ Department of Foreign Section of the Directorate of Security سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

بد قسمتی سے بین الاقوامی طلباء کو کسی پرائیویٹ اور پبلک دفتر میں کام کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ تاہم بہت کم اجرت پر اسٹوڈنٹ اسسٹنٹ جاب کچھ یونیورسٹیوں جیسے METU اور Bilkent کی طرف سے فراہم کیے جاتے ہیں۔

ثقافتی سرگرمیاں

واقعہ یہ ہے کہ ترکی بحیثیت مجموعی اعلیٰ معیاری تعلیم کے لیے ایک بہتر اور اہم مقام ہے۔ علاوہ ازیں ترکی کے شہروں میں بہت سارے تاریخی اور ثقافتی مقامات قابل دید بھی ہیں۔ تھیٹرس، سینما، نمائش اور میلے وغیرہ بھی ہر اس فرد کے لیے اہم ہیں جو کہ ترکی کے کلچر کو سمجھنا چاہتا ہو۔

ایک بین الاقوامی طالب علم یہاں مختلف قسم کے کلب اور اسٹوڈینٹ ایسوسی ایشن سے وابستہ ہو سکتا ہے۔ اس خوبصورت ملک میں آپ کو چاروں موسموں کی خصوصیات دکھائی دیں گی۔ یہاں مختلف کھیلوں کے مواقع موجود ہیں۔ جیسے Ranging، تیراکی، رافٹنگ، کشتی چلانا۔ اسی طرح فٹ بال، والی بال اور جاگنگ وغیرہ بھی مقبول کھیل ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر تفریحی سرگرمیاں بھی مہیا ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد باہر کے طلباء ملازمت بھی تلاش کر سکتے ہیں مثلاً وہ محقق یا معلم بن سکتے ہیں خصوصاً انگریزی ذریعہ تعلیم والی یونیورسٹیوں میں۔ ترکی زبان میں مہارت رکھنے والوں کے لیے دیگر ملازمتیں حاصل کرنا بھی آسان ہے۔ ملازمت کرنے کے لیے باہر سے آنے والوں کو اجازت نامہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ترکی میں بہت سے وظیفے دیے جاتے ہیں۔ مختلف ملکوں کے طلباء کے لیے ان کے سفارت خانوں کے ذریعہ وظیفوں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ ان ملکوں کے ضرورت مند طلباء متعلق سفارت خانے کو درخواست دے سکتے ہیں۔ وظیفوں سے متعلق درج ذیل سرکاری ویب سائٹ بھی موجود ہے۔

www.turkifepurslari.gov.tr/en

اگر آپ باہر کے کسی ملک سے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ترکی جا رہے ہوں تو یہاں آپ کو روایتی ثقافت اور جدید سہولیات دونوں کو دیکھنے کا موقع ملے گا۔ اس خطے میں ترکی ایک مستحکم اور محفوظ ملک ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تعلیمی معیار بلند ہے اور یہاں سے تعلیم پانے والے دنیا کے کسی بھی گوشے میں اپنے لیے بہتر مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

چین میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع

محمد فراز احمد

علم کے حصول کو اسلام نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، لیکن علم کے حصول کے لیے مسلمانوں میں عام رواج یہی ہے کہ مقامی کالج میں تعلیم حاصل کی جائے اور جلد از جلد تعلیم مکمل کرتے ہوئے کمانے کی دوڑ میں شامل ہوا جائے، لیکن دوسری طرف ہم نظر دوڑاتے ہیں تو علم کے میدان میں بہت سارے ایسے مدارج ہیں جن کو طئے کرنا مسلم نوجوانون کے لئے ابھی باقی ہے۔ امتِ مسلمہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول اور تحقیق کے میدان میں آگے بڑھنے کا رواج کچھ خاص نہیں تھا لیکن گزشتہ کچھ سالوں سے مسلمانوں میں بھی اعلیٰ تعلیم کے لئے شعور بیدار ہوتا نظر آ رہا ہے اور اس کے حصول کے لئے طلباء کوشاں ہیں جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اس مضمون ملک چین میں اعلیٰ تعلیم کے لئے موجود مواقع، ذرائع وغیرہ پر گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ طلباء خاص کر مسلم طلباء کو چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بیرون ممالک جہاں کا معیارِ تعلیم بلند ہو اور تحقیق کے ذرائع بہترین انداز میں موجود ہوں وہاں کا رُخ کرتے ہوئے بہتر مستقبل کی تعمیر کریں۔

یوں تو دنیا کے مختلف ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے بہترین مواقع موجود ہیں لیکن اس بات سے بہت کم ہی لوگ آشنا ہوتے ہیں کہ چین کے معیار تعلیم میں تیز رفتاری سے اضافہ ہو رہا ہے اور ہر سال کئی کالجس و یونیورسٹیز کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔ جس کے لئے حکومت کی جانب سے بہت زیادہ رقم خرچ کی جا رہی ہے تاکہ معیارِ تعلیم کو جدید ٹکنالوجی اور طریقہ کار کے ساتھ بلند کیا جائے، اسی کے پیشِ نظر ایک پروجکٹ "Project 985" کے نام سے 1998 میں شروع کیا گیا جس کے تحت چین کی یونیورسٹیز کو بہت زیادہ فنڈنگ کی جا رہی ہے جس کا مقصد چین میں اعلیٰ ترین تحقیقی اداروں کا قیام، بہترین انفراسٹرکچر کی فراہمی، بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد، عالمی سطح کے معروف ریسرچ اسکالرس اور فیکلٹی سے استفادہ کرنا اور مقامی اساتذہ کی دیگر ممالک کے بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کروانا جیسے کام ہیں۔

اس پراجکٹ نے چین کے معیارِ تعلیم کو بڑھانے میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے، اسی کے ساتھ یونیورسٹیز کے معیارِ تعلیم کو عالمی سطح پر بڑھانے کے لئے "C9 League" کے نام سے یونیورسٹیز کی درجہ بندی کی گئی، جس میں عالمی سطح پر چین کی 9 یونیورسٹیز موجود ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ Peking University: اس یونیورسٹی کا شمار دنیا کی اعلیٰ یونیورسٹیز میں ہوتا ہے اور درجہ بندی میں اسے 46واں مقام حاصل ہے۔

۲۔ Tsinghua University: دنیا کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیز میں اس کو 48واں مقام حاصل ہے۔

۳۔ Fudan University: اس یونیورسٹی کو 88واں مقام حاصل ہے۔

۴۔ Shanghai Jiao Tong University

۵۔ Zhejiang University

۶۔ University of Science and Technology of China

۷۔ Nanjing University

۸۔ Xi'an Jiaotong University

۹۔ Harbin Institute of Technology

اس وقت چین میں تقریباً 2000 یونیورسٹیز موجود ہیں۔ چین کے بہترین کالجز میں Humanities، میڈیسن، انجینئرنگ، مینجمنٹ اور Business Studies کے پروگرامز کی بہت زیادہ مانگ ہے۔ Times of India کی تازہ رپورٹ کے مطابق چین میں ہندوستان کے طلباء کی تعداد UK سے بھی زیادہ ہے، 2016 میں چین میں ہندوستانی طلباء کی تعداد 18,171 اور UK کے طلباء کی تعداد 18,015 تھی اور ہر سال اس تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے طلباء کی کل تعداد کا 80% حصہ MBBS کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ چین بیرون ممالک کے طلباء کا کھلے ہاتھوں استقبال کرتا ہے، حکومتِ چین تقریباً 50,000 طلباء کو اسکالرشپ دینے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ حکومتِ چین جس طرح تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کے لئے پیسہ خرچ کر رہی ہے اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چین طلباء کو بہترین انفراسٹرکر کے ساتھ تعلیم دلوانے کے لئے پُرعزم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ چین کی تقریباً 27 یونیورسٹیز Time Higher Education(THE) کی Top100 کی درجہ بندی میں موجود ہیں۔ ٹائمز ہائر ایجوکیشن ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ، جو 2004 میں قائم ہوئی، دنیا کے بہترین یونیورسٹیوں کی حتمی فہرست فراہم کرتے ہیں، اس میں زیادہ سے زیادہ تعلیم، تحقیق، بین الاقوامی نقطہ نظر اور شہرت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ یہ اعداد و شمار حکومتوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ قابل اعتماد ہیں اور طلباء کے لئے ایک اہم ذریعہ ہیں، جہاں انہیں مطالعہ کرنے کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔

چین کے ایک طالب علم نے اپنے ایک مضمون میں وہاں کی یونیورسٹیز کے متعلق سروے کو پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ''2016 میں کیو ایس رینکنگ کے مطابق چین کی 4 یونیورسٹیاں دنیا کی 100 بہترین یونیورسٹیز میں شامل تھیں۔ 2017 میں یہ تعداد بڑھ کر 5 ہو چکی ہے۔ ہانگ کانگ جو کہ چین کے زیر انتظام علاقہ ہے، اسے بھی شامل کر لیں تو یہ تعداد 8 ہو جاتی ہے۔ نہ صرف تعداد میں اضافہ ہوا ہے بلکہ یونیورسٹیوں کی رینکنگ میں بھی بہتری ہوئی ہے۔ مثلاً شنگخواہ اور پیکنگ یونیورسٹی کی 2016 میں رینکنگ بالترتیب 25 اور 41 تھی جبکہ 2017 میں یہ 24 اور 39 ہوگئی ہے۔ رینکنگ کا یہ معیار کتنا مشکل ہے؟ اس بات کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے ساتھ پوری مسلم دنیا سے کوئی ایک بھی یونیورسٹی ٹاپ 100 میں شامل نہیں'۔ (ایکسپریس ڈاٹ پی کے)

یوں تو چین کی مختلف یونیورسٹیز اور کالجس پورے ملک میں مختلف کورسس جیسے انجینئرنگ، MBA، کمیونی کیشن، Chinese Language وغیرہ فراہم کرتے ہیں اور یہ کورسس طلباء میں بہت زیادہ مقبول بھی ہیں ساتھ ہی بیرون ممالک کے طلباء بھی اِن پروگرامز میں داخلہ لیتے ہیں لیکن چین میں سب سے زیادہ، میڈیکل فیلڈ میں طلباء داخلہ لیتے ہیں۔ بیرون ممالک سے میڈیکل فیلڈ میں داخلہ کے لئے آنے والوں کی تعداد میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، یہاں تقریباً 50 یونیورسٹیز اور کالجس میڈیکل کورسس فراہم کرتے ہیں۔

داخلہ کی ضروریات

آرٹس کے انڈر گریجویٹ طلباء کو ان کے ڈپلومہ، تعلیمی ریکارڈ کی اسناد کے مطابق داخل کیا جاتا ہے۔ سائنس، انجینئرنگ، زراعت اور ادویات کے انڈر گریجویٹ طالب علموں کو ان کے ڈپلومہ، تعلیمی ریکارڈ کی اسناد، اور ابتدائی مرحلے میں HS کے ٹیسٹ کے لئے C-Level کے اسناد کے مطابق، داخلہ امتحان یا مہارت کی تشخیص کے بعد داخل کیا جاتا ہے۔ ماسٹر ڈگری یا پی ایچ ڈی کے طلباء کو یونیورسٹیز ان کے بیچلر یا ماسٹر ڈگری، تعلیمی ریکارڈ کی اسناد، اور دو پروفیسرز کی سفارش کے خطوط کے مطابق داخلہ دیتی ہے۔ چین کی یونیورسٹیز میں دو سمسٹر پائے جاتے ہیں پہلے سمسٹر کا دورانیہ یکم مارچ تا 15 جولائی اور دوسرے سمسٹر کا دورانیہ یکم ستمبر تا 31 جنوری ہوتا ہے۔

چینی زبان

چین کی تقریباً یونیورسٹیز میں چینی یا انگریزی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے، لیکن بہت ساری ایسی یونیورسٹیز ہیں جہاں صرف چینی زبان میں ہی تعلیم دی جاتی ہے، کتابیں، ریفرنس بکس، میگزینس، لائبریری وغیرہ تمام ہی چینی زبان میں دستیاب ہوتے ہیں، بین الاقوامی طالب علم کو مناسب طور پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے چینی زبان پر عبور حاصل ہونا لازمی ہوتا ہے۔ انڈر گریجویٹ، ماسٹر اور پی ایچ ڈی کے طلبہ جو چین میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنا نام درج کرواتے ہیں لیکن انھیں چینی زبان کی کم از کم بنیادی معلومات نہ ہوں جس سے وہ مضمون کو سمجھ سکیں اور گفتگو کے لئے آسانی ہو تو ایسے طلباء کے لئے کم از کم ایک یا دو سال چینی زبان سیکھنے کے لئے صرف کرنے پڑتے ہیں۔ چینی زبان کو آن لائن بھی سیکھا جا سکتا ہے جہاں مختلف ادارے مفت میں چینی زبان پر عبوریت کے لئے کورسس فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستانی طلباء دہلی میں بھی چینی زبان کو سیکھ سکتے

ہیں، دہلی یونیورسٹی کے شعبہ East Asian Studies اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی بھی مختلف قسم کے ریگولر اور اوپن کورسس چینی زبان کو سیکھنے کے لئے فراہم کرتے ہیں جو طلبہ چین میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے چاہئے کہ وہ انڈیا میں ہی چینی زبان سیکھ لیں۔ چین میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ داخلہ کے وقت اپنا میڈیکل تصدیق نامہ فراہم کریں، کیوں کہ چین صحت کے معاملے میں کافی محتاط ہے، اس کے علاوہ چین میں ہیلتھ کیئر کافی مہنگا ہے، وہاں پر علاج معالجہ کروانا انتہائی مشکل ترین امر ہے۔

اسکالرشپ

چین میں بین الاقوامی طلبہ کے لئے اسکالرشپ کا حصول دیگر ممالک کی بہ نسبت بہت آسان امر ہے، حکومتِ چین بین الاقوامی طلبہ کے لئے بہت ساری سہولیات مہیا کرتی ہے جن میں سے اسکالرشپ سب سے اہم ہے۔ چین میں اسکالرشپ کو کورسس کے حساب سے تقسیم کیا گیا جیسے انڈر گریجویٹ اسکالرشپ، پوسٹ گریجویٹ، ڈاکٹریٹ اکالرشپ، چینی زبان سیکھنے والے طلباء کے لئے اسکالرشپ، Visiting Students اور Senior Visiting Students کے لئے علیحدہ اسکالرشپ ہوتی ہے۔ اسکالرشپ دو قسم کی ہوتی ہے۔ مکمل اسکالرشپ اور جزوی اسکالرشپ۔ چینی حکومت کی مکمل اسکالرشپ بین الاقوامی طلباء کو، ٹیوشن (یا ریسرچ) فیس، بنیادی مواد کی فیس، رہائش، رہائشی بونس، سبسڈی اور سفری سہولت کے علاوہ طبی انشورنس کا احاطہ کرتا ہے۔ جزوی اسکالرشپ میں ایک یا مکمل اسکالرشپ کی کچھ چیزیں شامل ہیں (رہائشی سبسڈی اور ایک سے زیادہ اندرون سفری باؤنس شامل ہیں)۔ بین الاقوامی طلباء کے لئے مختلف سرکاری اسکالرشپ فراہم کی جاتی ہیں۔ مثلاً

The Great Wall Scholarship

Distinguished Foreign Students Scholarship

HSK Winner Scholarship Program

Chinese Culture Research Fellowship

Short-term Studies Scholarship Program for Foreign Teachers Teaching Chinese

اس کے علاوہ انڈر گریجویٹ میں بہترین کارکردگی کرنے والے طلبہ کے لئے The Hongkong Scholarship کے تحت اسکالرشپ فراہم کی جاتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلے کا طریقہ کار وضروریات

جو طلبہ چین میں تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں ہیں وہ International Exchange Division کے دفتر پر مندرجہ ذیل مواد فراہم کریں۔

۔ جس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس یونیورسٹی کا پُر کیا ہوا داخلہ فارم جس کو یونیورسٹی کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔

۔ اسکول وکالج کی دستاویزات کی کاپی

۔ پاسپورٹ کاپی

۔ سرکاری ہسپتال سے تصدیق شدہ ہیلتھ سرٹیفیکٹ

۔ پوسٹ گریجویٹ طلباء کے لئے دو سفارشی خطوط

۔ درخواست فیس جو US$15 یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔

ڈگری پروگرامز میں داخلہ لینے والے طلباء کے لئے ہر سال اپریل تا جولائی میں داخلہ کا وقت ہوتا ہے، اس کے علاوہ ''Language Course'' میں داخلہ کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے۔

تعلیم کے ساتھ ملازمت

چین میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے ایک بہت بڑی سہولت یہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی کرسکتے ہیں، 2013 سے قبل یہ سہولت دستیاب نہیں تھی لیکن اب یہ سہولت دستیاب ہے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبہ اپنی معاشی ضروریات کو بآسانی پورا کرسکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے اسٹوڈنٹ ویزا (X-Visa) درکار ہے، چین نے اسٹوڈنٹ ویزا کو دو زمروں میں تقسیم کیا ہے ایک X1 دوسرا X2، X1 ویزا ان طلبہ کے لئے چین میں چھ ماہ سے زیادہ تعلیم حاصل کررہے ہوں اور X2 ان طلبہ کے لئے جو چھ ماہ سے کم تعلیم حاصل کررہے ہوں۔

اخراجات

چین میں طلبہ بہ نسبت دیگر ممالک کے کم پیسوں میں بآسانی زندگی گزار سکتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں کم اخراجات میں معیاری تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے اور یہی ایک اہم سہولیت ہے جس کی وجہ سے چین میں بیرون ممالک کے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ٹیوشن فیس، کورس کے موضوع اور معیار پر منحصر ہوتی ہے، مختلف یونیورسٹیز میں معیارِ تعلیم کے مطابق فیس رکھی جاتی ہے۔ عموماً بین الاقوامی طلباء کو سالانہ 2000 تا 4000 یو ایس ڈالر کے قریب ادا کرنے ہوتے ہیں جو کہ ہندوستان کے 1,35,140 تا 2,70,280 ہوتے ہیں (خیال رہے کہ یہ فیس یونیورسٹی کے معیار کے مطابق رکھی جاتی ہے جو کسی میں زیادہ اور کسی میں کم ہوسکتی ہے)۔ چین میں اقتصادی ترقی و دیگر عوامل کے سبب قیمتیں زیادہ ہوتی ہے لیکن یہ قیمتیں دیگر صنعتی ممالک کے مقابلے کم ہے جس کی بدولت بین الاقوامی طلبہ کم آمدنی میں بھی آرام دہ اور پُرسکون زندگی گزار سکتے ہیں۔

الغرض چین مجموعی طور پر بیرون ممالک کے طلباء کے لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ایک بہترین ذریعہ ہے، بیرون ممالک میں تعلیم حاصل کے خواہش مند طلبہ اور خاص کر میڈیکل فیلڈ کے طلبہ کو چاہئے کہ وہ چین میں اپنی اعلیٰ تعلیم کو مکمل کریں۔

نظر

ایران میں

تحریر: ضیاء وحید

حالیہ کچھ دنوں سے ایران سرخیوں میں ہے۔ مغربی ملکوں سے اس کی نیوکلیئر ڈیل اس کی خاص وجہ بنی ہوئی ہے۔ ایران اسلامی انقلاب کے بعد سے ہی بین الاقوامی پابندیوں کا شکار رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ایران نے ہر شعبے میں خود کو خودکفیل بنالیا ہے۔ نیوکلیئر فیوزن تک کیلئے ایران کو بیرونی مدد کی ضرورت درکار نہیں رہی۔ مانا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے ایران کی تعلیمی پالیسی کارفرما ہے۔ ایٹمی ری ایکٹرس سے متعلق اقوام متحدہ کی پابندیوں کے ختم ہونے سے ایران نے عالمی مارکیٹ میں تیزی سے رسائی حاصل کی ہے۔ جس میں ایران کے تعلیمی شعبے کو بھی فائدہ حاصل ہوا۔ ایران کی اعلی تعلیم کا شعبہ زبردست ترقی سے گزر رہا ہے۔ مغربی ملکوں سے کیئے گئے معاہدوں کے بعد ایران غیرملکی طلباء کیلئے رغبت کا باعث بن رہا ہے۔ یونیسکو کے اعداد و شمار کے مطابق، 2016 میں ایران نے اپنے جی ڈی پی کا 3.37 فیصد حصہ تعلیم پر خرچ کیا ہے۔ حالانکہ ایران میں یہ فی صد مستقل نہیں ہے اس میں ملکی معاشی بنیادوں پر کمی یا زیادتی کی جاتی رہی ہے لیکن ایران نے تعلیمی شعبے کو معیاری بنانے کی ہر ممکن کوششیں کی ہیں۔

ایران کی اہم یونیورسٹیز

ایران کی چند مشہور یونیورسٹیوں میں تہران یونیورسٹی، تربیت مدرس یونیورسٹی، ایران یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی اور شیراز یونیورسٹی شامل ہیں۔ میڈیکل شعبے کے طالب علم تہران یونیورسٹی آف میڈیکل سائنس، شیراز یونیورسٹی آف میڈیکل سائنس یا شاہد بہشتی یونیورسٹی آف سائنس کو ترجیح دیتے ہیں۔

غیر ملکی طلباء کیلئے اہم کورسیس

غیرملکی طلباء کیلئے ایران میں جو اہم تعلیمی پروگرامس پیش کیئے جارہے ہیں ان میں بیچلر، ماسٹرس اور پی ایچ ڈی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تحقیق کے شعبے میں بھی پوسٹ گریجویٹ سطح کے کورسیس متعارف کیئے گئے ہیں۔ ایران، سائنس اینڈ ٹکنالوجی کے علاوہ تاریخ، ثقافت، آرٹس اور مذہبی تعلیم کیلئے کافی سودمند ملک رہا ہے۔ ایران کی قدیم ثقافت اور اسلامی کردار، تعلیمی ماحول پر اچھا اثر ڈالتے ہے۔ زیادہ تر ایرانی یونیورسٹیز کیمیاء، میڈیسن، انجینئرنگ اور طبعیات جیسے مضامین میں عمدہ تعلیم کیلئے پہچانی جاتی ہے۔ بڑی تعداد میں غیرملکی طلباء ایران میں تاریخ اور ثقافت میں تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں۔ کئی طلباء ایران اور مشرق وسطی کے ثقافتی یا سفارتی تعلقات پر اسٹڈی کیلئے بھی ایرانی یونیورسٹیز کا رخ کرتے ہیں۔ لینگویجس میں ماسٹرس کیلئے بھی غیر ملکی طلباء بڑی تعداد میں ایران آتے ہیں۔ ایران میں غیرملکی طلباء کیلئے کئی کورسیس موجود ہیں جس میں سب سے مقبول فارسی زبان اور اسلامی علوم کے شعبے ہیں۔

فارسی زبان

بیرونی طلباء کیلئے ایران میں فارسی ادب میں مختصر مدتی اور طویل مدتی کورسیس موجود ہیں۔ ان کورسوں کا مقصد طلباء کو فارسی زبان کے رموز واقات سے ہم آہنگ کرانا اور فارسی ادب کی ترقی کو ممکن بنانا ہے۔ تاکہ بیرونی طلباء اچھے طریقے سے فارسی کو لکھ اور پڑھ سکیں۔

اسلامی علوم

ایران چونکہ اہل تشیع مکتب فکر کا اکلوتا مرکز رہا ہے اس لیئے یہاں اہل تشیع کے نظریات پر مبنی اسلامی کورسیس بڑی تعداد میں فراہم کیئے جاتے ہیں پوری دنیا سے اہل تشیع مکتب فکر کے طلباء ایران سے اسلامی علوم میں ڈگریاں حاصل کرتے ہیں۔ حکومتی سطح پر ایسے طلباء کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔

سائنس اینڈ ٹکنالوجی

ایران کی کئی یونیورسٹیز میں سائنس اینڈ ٹکنالوجی کی معیاری اور عالمی سطح کی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ ایران میں اس کیلئے کئی یونیورسٹیز عالمی معیار کی قائم کی گئی ہیں۔ ایرانی انقلاب کے بعد بڑی تعداد میں ایرانی طلباء نے مغربی ملکوں سے سائنس اینڈ ٹکنالوجی کی تعلیم حاصل کی اور اپنی زبان میں اس کو خوب ترقی دی۔ جس کا فائدہ اب ایران کے اندر طلباء اٹھارہے ہیں۔ ایران یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی اور تہران یونیورسٹی، سائنس اور ٹکنالوجی کے مختلف مضامین کیلئے مناسب ادارے مانے جاتے ہیں۔

تاریخ و ثقافت

ایران چونکہ اپنی قدیم تاریخ رکھتا ہے اس لیئے ایران میں تاریخ اور ثقافت کے شعبے میں تحقیق کیلئے بھی طلباء رخت سفر باندھتے ہیں۔ یہاں تک کہ عرب دنیا کی تاریخ اور ثقافت سے جڑے مضامین بھی ایران کی یونیورسٹیوں میں معیاری انداز میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ایران کی کوئی بھی بڑی یونیورسٹی سے تاریخ و ثقافت کے کورسیس یا پروگرام سے منسلک ہوا جاسکتا ہے۔

فاصلاتی تعلیم

ایران میں فاصلاتی تعلیم کا بھی عمدہ انتظام کیا گیا ہے۔جس کے ذریعہ دنیا کے کسی بھی شہر سے ایران میں مختلف کورسوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کیلئے ذریعہ تعلیم فارسی ہی ملے گا۔

بیرونی طلباء کیلئے سہولت

بیرونی طلباء کیلئے تعلیمی اخراجات کا انحصار یونیورسٹیز اور کورسیس پر ہیں۔کئی یونیورسٹیز میں تو طلباء کیلئے رہائشی انتظام کیا جاتا ہے اور کہیں آپ کو خود ہی اپنا انتظام کرنا ہوتا ہے۔حالانکہ یہ زیادہ مہنگا بھی نہیں ہوتا ہے۔ایران میں تعلیم حاصل کرنا آپ کو تہذیبی اور ثقافتی طور پر ایک انوکھا تجربہ دیتا ہے جس سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے اور دیکھنے کو مل سکتا ہے۔

اسکالرشپس

ایران میں بنیادی طور پردو طرح سے اسکالرشپ دی جاتی ہے مختصر اسکالرشپس جس میں صرف ٹیوشن فیس فراہم کی جاتی ہے جبکہ مکمل اسکالرشپس میں ٹیوشن فیس کے ساتھ ساتھ رہائش کیلئے ضروری اخراجات بھی فراہم کیئے جاتے ہیں۔ایرانی یونیورسٹیز میں تعلیم کیلئے حکومتی اور خانگی دونوں سطح پر اسکالرشپ آفر کی جاتی ہے حالانکہ ان اسکالرشپس کو حاصل کرنے کیلئے سخت مقابلہ بھی درپیش ہوسکتا ہے۔اگر آپ کا تعلیمی ریکارڈ معیاری ہو تو آپ کو زیادہ تگ و دو کرنا نہیں پڑے گا ۔غیر ملکی مسلم طلباء کو اسلامی علوم کے حصول کیلئے حکومت تعاون کرتی ہے اور اس شعبے میں اسکالرشپ فراہم کرتی ہے اسکالرشپ کے تحت ٹیوشن فیس، رہائش، طبی امداد اور تعلیم مکمل ہونے تک لگنی والی ضروری رقم بھی فراہم کی جاتی ہے۔

ایران میں تعلیم حاصل کرنے کے دیگر فوائد

ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ تعلیم کا حصول وہ بھی کسی غیر ملک میں ،زندگی کو تلخ تجربات سے گذارتا ہے لیکن اگر ماحول پر سکون اور عمدہ ملے تو اپنے وطن سے دور رہ کر بنا ذہنی دباؤ کے تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔

ایرانی لوگ ایرانی لوگ گرم جوش اور دوستانہ صفت کے مالک ہوتے ہیں۔کسی بھی غیر ملکی کو بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ غیر ملکیوں کی میزبانی کیلئے جی جان بھی لگا دیتے ہیں۔اس لیئے یہاں کسی بھی طالب علم کو سماجی مسائل کا سامنا مشکل ہی سے کرنا پڑے گا۔

تہذیب و ثقافت ایرانی تہذیب دنیا کی قدیم ترین اور اعلیٰ تہذیب مانی جاتی ہے ۔یہاں کے فن دیکھنے لائق ہوتے ہیں۔ایران میں ایسے کئی علاقے ہیں جہاں ایرانی آرٹ کا اظہار ہوتا ہے۔اس تہذیب سے واقفیت کے بعد انسان کو دنیا میں ایک عمدہ تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

ذائقے دار پکوان ایران جہاں اپنی تہذیب اور ثقافت پر فخر کرتا ہے وہیں ایرانی کھانے اور پکوان دنیا بھر میں معروف ہیں۔ایران کے کئی ذائقے دار پکوان بھارت میں بھی مشہور ہیں۔لیکن جس کی اصل ایران ہو وہ ڈش ایران میں ہی مزہ دیتی ہے۔طالب علم اپنے فرصت کے لمحات میں ایرانی پکوانوں کا ذائقہ لے سکتے ہیں۔

آثار قدیمہ

ایرانی تہذیب کی نشانیاں ایران میں جا بجا موجود ہیں۔ایران کا ہر شہر اپنے اندر تاریخی یادگاروں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ایران کے یہ آثار قدیمہ مشاہدین کو ماضی کی عظمت کا دیدار کرادیتے ہیں۔ جہاں انسانی تمدن کا اعلیٰ مظاہرہ پایا جاتا ہے۔یہ ایک بہترین تجربہ ہے جو ایران کی تاریخی یادگاروں اور آثار قدیمہ کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔تاریخ اور تحقیق کے شعبے سے وابستہ طالب علموں کیلئے یہ کسی چھپے ہوئے خزانے سے کم نہیں ہے۔

پر امن، خوشگوار ماحول اور سبزہ زار

ایران ایک خوبصورت اور دلکش ملک ہے ایران میں ہر جگہ سبزہ زار اور باغیچے ذہن کو سکون پہنچاتے ہیں جس سے صحت اور نفسیات پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ایران کی آب و ہوا اور حسن ،غیر ملکیوں کو راغب بھی کرتا ہے اور نیا جوش اور ولولہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔سرسبز و شاداب ایران کو آنکھوں سے دیکھنا ایک انوکھا تجربہ ہے۔

اعلیٰ اور معیاری تعلیم

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی تھی ۔حالانکہ ایران اہل تشیع کی مذہبی تعلیم کیلئے بڑا مرکز رہا ہے لیکن عصری اور لسانی علوم میں بھی ایران عالمی معیار رکھتا ہے ۔یہاں سے تعلیم حاصل کرنا زندگی کا ایک انوکھا اور یادگار تجربہ مانا جاتا ہے۔یہاں صرف تعلیم ہی نہیں ملتی بلکہ زندگی کی تشنگی کو تسکین بھی ملتی ہے۔

ملیشیا

ذوالقرنین حیدر سبحانی

یوں تو تعلیم کا سارا دار و مدار سیکھنے والے کے اپنے جذبے، لگن اور جد و جہد پر ہے لیکن اس کے باوجود ایک اچھے تعلیمی ادارے اور صلاحیت مند اور ماہ اساتذہ کی فراہمی سیکھنے اور سمجھنے کے نئے دروازے کھولنے میں مدد کرتی ہے۔ ہندوستان میں تعلیم کے مواقع بے انتہا ہیں اور مسابقت کی ایک پر لطف فضا بھی موجود ہے۔ البتہ اگر کوئی مزید مواقع کی تلاش اور دریافت کی غرض سے ہندوستان کے باہر جا کر کچھ عرصہ اعلی تعلیم پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جہاں اور بہت سے مواقع اہم ہو سکتے ہیں وہیں ملیشیا بھی ایک اہم آپشن ثابت ہو سکتا ہے۔ ملیشیا کے اہم اور قابل اختیار آپشن کے چند اہم اسباب میں سے اس کے تعلیمی اخراجات کا مناسب ہونا اور دوسری جگہوں کے مقابلے میں کافی کم ہونا اور تعلیمی میدان میں عالمی سطح پر ایک ابھرتا ہوا ملک ہونا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں ملیشیا کی چند اہم اور قابل ذکر یونیورسٹیوں کا تعارف پیش کیا جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ ذاتی تجربے کی بنیاد پر شائقین کو کچھ اہم مشورے اور تجاویز پیش کی جائیں گی۔

ملیشیا میں یوں تو کئی یونیورسٹیاں ہیں بلکہ کوالمپور جو ملیشیا کی راجدھانی ہے بظاہر یونیورسٹیوں کا شہر لگتا ہے۔ لیکن اس میں ممتاز طور پر یونیورسٹی آف ملایا، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا، یونیورسٹی اسلام سائینس ملیشیا، یونیورسٹی ٹیکنالوجی ملیشیا اور یونیورسٹی کیبا سان ملیشیا قابل ذکر ہیں اور دنیا جہاں کے علم کی پیاس رکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔

گرچہ کی رینکینگ میں تو انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی ملیشیا پہلے نمبر پر نہیں ہے مگر اس مضمون میں تعارف کے لئے سب سے پہلا انتخاب اسی کا کیا گیا ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ راقم السطور کے نزدیک کبھی بھی تعلیمی اداروں کا انتخاب رینکینگ کے ذریعے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حتی الامکان اس تصور سے پرہیز کرنا چاہئے اور ایسا اس لئے نہیں کہ مسابقت کی یا رینکینگ کی اسپرٹ اپنے آپ میں ایک معیوب اور بری چیز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ موجودہ رینیکنگ کا پورا نظام صارفیت اور مادیت کے ان اصولوں پر ہے جہاں پہلی پوزیشن اس کی آتی ہے جس کے پاس رینکینگ کے گیم میں ڈالنے کے لئے پیسے زیادہ ہوتے ہیں۔ خیر یہ تو بات سے بات نکل آئی ورنہ ہماری گفتگو تھی انٹرنیشنل اسلامیک یونیورسٹی ملیشیا کے تعارف پر۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا، ملیشیا کی سب سے بڑی انٹرنیشنل یونیورسٹی ہے۔ یہ کوالمپور شہر کی ایک بہت خوبصورت وادی اور پہاڑوں کے ملے جلے علاقے میں واقع ہے۔ یونیورسٹی دراصل ایک پورا شہر ہے جو پڑھنے لکھنے والوں کے لئے ایک پرسکون اور پر لطف فضا فراہم کرتا ہے۔ یونیورسٹی کی بنیاد چونکہ اسلامائزیشن آف نالج کے فلسفے پر ڈالی گئی تھی چنانچہ مسلمان طالب علموں کی توجہ اس یونیورسٹی کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ اس یونیورسٹی کا اہم مقصد انسانی اور طبیعی علوم یا ہیومن سائنس اور نیچرل سائینس کو اسلامائز کرنا ہے اور اس کا یہ مقصد یہاں کے نصاب سے لے کے ایکٹیویٹیز تک میں نمایاں رہتا ہے۔ البتہ اس مضمون میں اسلامائزیشن آف نالج کے فلسفے کے جائزے اور اثرات سے متعلق کچھ کہنے سے پرہیز کیا جائے گا کیونکہ وہ خود اپنے آپ میں ایک تفصیل طلب اور معرکۃ الآراء موضوع ہے جس پر سیمیناروں اور ڈائیلاگ کا ایک سلسلہ قائم ہے البتہ اس میں ہندوستان میں بھی گفتگو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ بہر کیف انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کی ایک اہم خوبی یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یہاں مغرب و مشرق کے فلسفوں اور نظریات کا ایک سنگم دیکھنے کو ملتا ہے۔ انٹرنیشنل یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے عالمی سطح کے مشہور اور قابل قدر اسکالرس کے سفر کثرت سے ہوتا ہے جس سے طالب علموں کے نئی گفتگو سیکھنے اور نئے موضوعات سے باخبر ہونے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ یوں تو یہ ایک باقاعدہ مکمل یونیورسٹی ہے اور اس میں تمام شعبہ جات بھی موجود ہیں۔ البتہ میڈیکل کے لئے اس میں علیحدہ ایک پورا کیمپس بنایا گیا ہے جو رقبے میں مین کیمپس سے بڑا اور جائے وقوع میں زیادہ خوبصورت ہے۔ اسی طرح اسلامی تہذیب اور ملیشیا سے متعلق مخصوص موضوعات پڑھانے کے لئے بھی قریب میں ایک علاحدہ کیمپس ہے جو دراصل اندلس کی الحمراء یونیورسٹی کی طرز پر نہایت اہتمام سے بنی ہوئی عمارت ہے جو دراصل اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کی خصوصی ریسرچ سینٹر کے طور پر ملیشیا کے نامور مفکر اور فلسفی سید نقیب العطاس نے خود اپنی نگرانی میں تعمیر کرائی تھی لیکن بعد میں بعض وجوہات کی بنا پر اس کے نصاب اور اہداف میں کافی تبدیلی لانی پڑی۔ مین کیمپس میں آنے والے شعبوں میں اسلامی علوم اور مذاہب کا شعبہ اپنے آپ میں ایک ممتاز شعبہ ہے۔ جس میں سے دنیا بھر کے بڑے بڑے اسکالرس اور علماء فارغ ہو چکے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک اچھی جگہ

انجیئر نگ کا شعبہ بھی یہاں کا ایک اہم شعبہ مانا جاتا ہے۔ اسی طرح ہیومن سائنسز کا یہاں اک شعبہ اس طور سے اہم مانا جاتا ہے کہ اس میں سماجی علوم کو اسلامی علوم سے قریب کرنے کی کافی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اسلامی بینکینگ اور فائینانس کا یہاں کا شعبہ دنیا بھر میں اپنے فارغین کے بہترین کارکردگی کے لئے معروف ہے۔ یہ الگ قابل غور سوال ہے کہ کیا یہ شعبہ اسلامی بینکینگ اور فائنانس پر ہونے والے چوطرفہ سوالات کا کوئی جواب دینے میں کامیاب ہے کہ نہیں۔

یونیورسٹی آف ملیشیا یہاں کی اہم پبلک یونیورسٹی ہے۔ اس سے یاد آیا کہ انٹر نیشنل اسلامی یونیورسٹی ملیشیا پبلک یونیورسٹی نہ ہوکر سیمی گورنمنٹ قسم کی یونیورسٹی ہے۔ یونیورسٹی آف ملیشیا بھی یہاں کی ایک اہم ترین یونیورسٹی ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو انٹر نیشنل اسلامی یونیورسٹی ملیشیا کو چھوڑ کر ساری یونیورسٹی ملتی جلتی خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسلامی عنصر اپنے خاص معنوں میں انٹر نیشنل اسلامی یونیورسٹی کو باقی دوسری یونیورسٹیوں سے ممتاز کرتا ہے لیکن چونکہ ملیشیا میں گورنمنٹ سطح پر تعلیم کے فروغ کو ایک اہم اور سنجیدہ توجہ کے طور پر لیا گیا ہے چنانچہ تمام یونیورسٹیوں میں تعلیم کے فروغ کو بڑھانے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ البتہ خود تعلیم کے فروغ سے متعلق نظریاتی سوالات کافی اہم ہیں لیکن ابھی فی الحال اس کو بھی نظر انداز کیا جارہا ہے۔

ملیشیا کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کی شرائط اور کارراوئیاں بھی ایک جیسی ہیں۔ ہر یونیورسٹی کی اپنی ویب سائٹ ہے۔ ویب سائٹ پر جاکر کورس پسند کرنا ہے۔ اسی بیچ میں یہ بتانا شاید غیر ضروری نہ ہو کہ ہندوستان سے یہاں آنا گریجویشن کے بعد ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گریجویشن یہاں چار سال کا ہے اور ایک سال بچالینا شاید زندگی کی دوسری اہم سرگرمیوں میں معاون ہو۔ اسی طرح گریجویشن تک یہاں عموماً ملیشین اسٹوڈنٹ ہی یا بھاری اکثریت میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں آنے کا ایک اہم مقصد یعنی بین الاقوامی لوگوں سے تجربات حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ خیر یہ محض تجربے کی بنیاد پر ایک مشورہ تھا۔ تو ویب سائٹ میں پسند کا مضمون منتخب کرنا ہے۔ البتہ یہاں یہ جاننا مفید ہوگا کہ برخلاف ہندوستان ملیشیا میں پوسٹ گریجویٹ لیول پر ڈگری حاصل کرنے کے تین طریقے ہوتے ہیں۔ ایک کو کورس ورک کہتے ہیں جہاں صرف کلاسس کی بنیاد پر پاس ہوکر ڈگری حاصل کی جاتی ہے۔ مکسڈ موڈ اسے کہتے ہیں جہاں کچھ کریڈٹ گھنٹوں کی کلاسس ہوتی ہیں اور پھر ایک تھیسس لکھنا ہوتا ہے۔ اور تیسری شکل ریسرچ موڈ جس میں صرف تھیسس لکھنا ہوتا ہے۔ البتہ پی ایچ ڈی کے پروگرام میں صرف آخر الذکر دونوں طریقے آفر کئے جاتے ہیں۔ مشورے کے طور پر یہاں بھی یہ بتانا مناسب ہوگا کہ ماسٹر لیول کے لئے مکسڈ موڈ اور پی ایچ ڈی کے لئے ریسرچ موڈ زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔

ویب سائٹ پر کورس کا انتخاب کر کے اپلائی کرنے کی ایک مخصوص فیس جمع کرنی ہوتی ہے۔ جو الگ الگ یونیورسٹی کی الگ الگ ہوتی ہے۔ فیس جمع کرنے کے لئے عام طور سے دو طریقے قابل عمل ہوتے ہیں، کریڈٹ کارڈ سے ڈائرکٹ یونیورسٹی کے پورٹل پر جمع کریں یا بینک کے ذریعے ان کے دئے گئے اکاؤنٹ میں جمع کریں۔ اپلائی کرنے کے بعد عام طور سے دو سے تین ہفتوں میں منظوری آجاتی ہے البتہ کبھی کسی وجہ سے تاخیر بھی ہوجاتی ہے۔ یہاں ایک اہم چیز توجہ دینے کی یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر ہر کورس کی تفصیلی فیس پالیسی بھی موجود ہوتی ہے۔ موجودہ وقت میں عام طور سے اسکالرشپ یونیورسٹی کی طرف سے نہیں ملتی ہے۔ داخلے کے ساتھ تو بالکل نہیں ملتی ہے البتہ اگلے سیمسٹرس سے کارکردگی کی بنیاد پر کچھ مواقع ہوتے ہیں۔ داخلہ ملنے کے بعد پہلے سیمسٹر کی فیس پھر داخلہ فیس کی طرح آن لائن ادا کرنی ہوتی ہے اور پھر وہاں سے ویزے کی کارراوائی شروع ہوجاتی ہے جس کی تفصیل وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہیں اور وہ خود یونیورسٹی کی طرف سے واقف کرائی جاتی ہیں۔

ملیشیا میں پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا عالمی سطح کے اسکالرس، مفکرین اور ماہرین، مغربی بھی اور مشرقی بھی سے ملنے، گفتگو سننے، اور سوچ اور خیالات کے نئے پردے کھولنے کا بھرپور موقعہ ملتا ہے۔ لیکن شروع کی بات آخر میں پھر سے دوہرادینی چاہئے کہ پڑھنے والوں اور سیکھنے کا فیصلہ کرنے والوں کے لئے یہ ساری چیزیں حاصل کرنا اب بہت آسان ہوگیا ہے۔ سب سے بڑا اور مشکل کام پڑھنے اور سیکھنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

نظر

آسٹریلیا کے یونیورسیٹیز عالمی سطح پر اپنے معیارِ تعلیم اور تحقیق کے لئے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہاں کی حکومت AQF آسٹریلین کوالیفکیشن فریم ورک(Australian Qualificaion Framework) کی مسلمہ حیثیت دیتے ہوئے معیار کی سند دیتی ہے، جو آسٹریلین تعلیم کے نیشنل کوالٹی فریم ورک کا حصہ ہے۔ آسٹریلیائی جامعات کے ریسرچ مراکز نے ان کے تحقیقی ورک پر کئی بین الاقوامی ایوارڈس حاصل کئے جس میں ۱۱ نوبل ایوارڈ شامل ہیں ، اب آسٹریلیا میں بیرونی مما لک کے طلبہ کو تعلیمی مواقع ، ذرائع ،سہولیات اور کورسیز سے متعلق مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ طالب علم انٹر نیشنل اسٹوڈنٹ کہلاتے ہیں، ایسے انٹر نیشنل طلباء اگر آسٹریلین یونیورسیٹیز سے گریجویشن کرتے ہیں تو ان کو یہاں کام کرنے کے بھی شاندار مواقع ہیں اگر کوئی انٹر نیشنل طالب علم یہاں بیاچلرس، ماسٹر کورس ورک ڈگری کرتا ہے اور وہ کم از کم دو سال آسٹریلیا میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو کورس کی تکمیل کے بعد وہ مزید دو سال تک کام کرنے کا اہل ہوتا ہے۔اسی طرح ماسٹر اور پی ایچ ڈی سطح کے کورس کی تکمیل کے بعد چار سال تک کام کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

آسٹریلیا کا اعلیٰ تعلیم ، یونیورسٹی سطح کا عام طور پر سالانہ دو سمسٹر سسٹم چلاتا ہے، پہلا سمسٹر فروی تا جون اور دوسرا سمسٹر جولائی تا نومبر، بعض اور دوسرے یونیورسیٹیز Tri-semester ہے۔آسٹریلیائی تعلیمی نظام میں لچکدار اسٹڈی کو رکھا گیا ہے ، اسکولی سطح کی تعلیم کے بعد اگر کوئی طالب علم آسٹریلین سینئر سکنڈری اسکول یا فارن سرٹیفیکٹ کورس مماثلت کا کیا ہو تو وہ ڈپلوما ، اڈوانس ڈپلوما یا بیاچلر ڈگری کرسکتا ہے۔بعض سارے کورسیز انٹر نیشنل اسٹوڈنٹ کے لئے آسٹریلین اکیڈمک ماحول کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں۔اسٹریلیا میں جملہ 39 یونیورسٹیز ہیں یہ یونیورسٹیز سرٹیفیکٹ ، ڈپلوما ، بیاچلر ڈگری ، ماسٹرس ڈگری اور ڈاکٹریٹ پروگرامس رکھتی ہیں۔ ان میں بیاچلر ڈگری تین تا چار سال کی ہے ، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ایک سال ، دیڑھ سال اور دو سال تک کا ہے اور دو تا پانچ سال تک ڈاکٹریٹ ڈگری ہے۔ فارن اسٹوڈنٹ یعنی انڈین طالب علم کو آسٹریلیا میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلش کا ٹسٹ کامیاب ہونا ضروری ہوتا ہے جو TEEFL , IECTs یا PTE ہے۔ GMAT اور GRE بھی بعض یونیورسٹیز میں پوچھا جاتا ہے۔

یونیورسٹیز اپنے ڈگری کے مارکس اور بتائے گئے قواعد وضوابط کی تکمیل پر داخلہ دیتی ہے اور آفر لیٹر دیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر فیس ادا کرتے ہی ویزا کو اپلائی کرنا ہوتا ہے اور ہائی کمیشنر اسٹوڈنٹ ویزا جاری کرتا ہے۔ ان دنوں ہندوستانی طلبہ کا رجحان آسٹریلیا میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بہت زیادہ ہے، آسٹریلیا کا صدر مقام کیانبرا ہے اور یہاں دو یونیورسٹیز ہیں ، ریاست نیو ساؤتھ سیلس ہے جہاں ملک کا بڑا شہر سڈنی ہے اور آسٹریلین کیتھولک یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف سڈنی کے بسمول 11 یونیورسٹیز ہیں ، کوئینس لینڈ میں 8 یونیورسٹیز ہیں ، نارتھن ٹریٹری میں چارلس ڈارون یونیورسٹی ہے ، ساؤتھ آسٹریلیا میں چار یونیورسٹیز ہیں، تسمانیہ میں یونیورسٹی آف تسمانیہ ہے، وکٹوریہ میں بشمول وکٹوریہ یونیورسٹی کے 8 یونیورسٹیز ہیں ، وسٹرن آسٹریلیا میں چار یونیورسٹیز ہیں ۔ جو طالب علم آسٹریلیا میں اعلیٰ تعلیم کا منصوبہ بناتا ہے پہلے وہ اپنی تعلیمی قابلیت اور انگلش ٹسٹ سے اسکور کے بعد مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے یونیورسٹی ، شہر اور کورس کا انتخاب کریں۔ اس وقت آسٹریلیا میں تعلیم اور روزگار کے شاندار مواقع ہیں، صحیح حکمت عملی اور اچھے تعلیمی ریکارڈ کے ساتھ اچھی اور معیاری یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر کے شاندار مستقبل بنایا جاسکتا ہے۔

ایم اے حمید، حیدرآباد

آسٹریلیا

میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع

قوموں کی حیات

ان کے تخیل پہ ہے موقوف

ندیم انصاری، پڑگھا

قوموں کے عروج وزوال کا انحصار ان کے تخیل کی بلند پروازی پر 'اعلیٰ وارفع خوابوں پر 'اور پاکیزہ تصورِ کائنات (World View) پر منحصر ہے۔جس قوم سے اس کے خواب چھین لیے جائیں 'اس کے تصورِ کائنات کو دھندلا دیا جائے 'اس کا مستقبل بے سمتی کا شکار ہوجاتا ہے۔

امتِ مسلمہ تاریخ کے جس موڑ پر کھڑی ہے شاید وہ ملی تاریخ کی سب سے بڑی بحرانی صورتحال ہے۔ گوکہ ماضی میں ہم ایسے کتنے شدید حوادث جھیل چکے ہیں-مثلا ''جمل وصفین کی خانہ جنگیاں 'بغداد وغرناطہ کا سکوت ' مغل دہلی اور خلافت عثمانی کی تباہی '' وغیرہ۔لیکن پیش نظر صورتحال ہمارے تخیل پر 'ہمارے تصورات کائنات پر ضرب لگاتی ہے۔جس کی وجہ سے ہم ایک نظریاتی بحران (ideological crisis) کا شکار ہیں۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مغرب کو یہ محسوس ہوا کہ مغربی تہذیب کے بالمقابل اگر کوئی نظام انسانیت کی دادرسانی کرسکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مابعد سرد جنگ کے دور میں مغرب کے دو بہترین دماغوں نے اپنی اپنی تھیوری کے زریعہ نظریاتی طور پر مغرب کی اسلام پر فوقیت ظاہر کرنا چاہی- فرانسس فوکو یاما نے اپنی تھیوری 'تاریخ کی انتہا کے ذریعے کہا کہ ویسٹرن لبرل ڈیموکریسی انسانی نظریات کے ارتقاء کی انتہا ہے۔اور چونکہ اس میں پچھلی تمام بہترین چیزیں جمع ہوگئی ہیں اس لیے یہ تاریخ کی بھی انتہا ہے۔تاریخ اس سے بہترین ماڈل نہیں دے سکتی اس لئے اب ساری دنیا کو اس ماڈل کو اپنا لینا چاہیے۔اسی طرح سیموئیل ہنگٹنگٹن نے اپنی تھیوری تہذیبوں کے تصادم ' کے ذریعے کہا کہ اب تصادم بالخصوص مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان ہے،جس میں مغربی تہذیب بالآخر فتح یاب ہوگی۔

یہ ہے وہ نظریاتی بحران جو ہمیں لے ڈوبنے پر تُلا ہوا ہے- ویسٹرن لبرل ڈیموکریسی کے اس نظریاتی ماڈل کے بالمقابل ہمارے پاس دنیا کو دینے کے لیے کیا کوئی قابلِ عمل (Viable) ماڈل موجود ہے؟ کیا ہمارے پاس موجود اسلامی ماڈل جو نسلی افتخار ' قومی وملکی تفرقات 'مسلکی وفقہی تنازعات ' دہشت گردی و حقوق نسواں کی صلب برداری کے داغوں سے پراگندہ ہے۔ کیا وہ انسانیت کے لئے قابل قبول بھی ہوسکتا ہے؟

اگر ہم اپنے اندرون میں گہرائی سے جھانک کر دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ہمارا نظریہ کائنات، ہمارا تخیل، ہمارے خواب، ہمارا نظریہ عروج وزوال، ہماری ترقی کے ماڈل، قرآنی نظریہ سے میل نہیں کھاتے۔ ہم قوموں کے عروج وزوال کو سلطنتوں کی قوت وشوکت سے ناپنے کے عادی ہوگئے ہیں۔یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کے عروج کا مطلب empire building نہیں ہے۔ راشد شاز ادراک زوال امت 'میں لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ کی بعثت نا تو عرب سلطنت کے قیام کے لیے ہوئی تھی اور نہ ہی اسلامی فکر میں جابر بادشاہوں اور توسیع پسند حکمرانوں کے لیے کوئی گنجائش تھی۔عباسی بغداد کا عہد زریں جس قوت وسطوت جاہ وحشم سے عبارت تھا اس کی نظری اور تہذیبی بنیادیں غیر قرآنی ثقافت میں تھیں۔ہم عرصہ ہائے دراز تک مسلم قوت کے عروج کو عروج کلمہ سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا رہے۔''

عرصہ دراز سے ہمارے بہترین دماغ اور اسلامی تحریکیں زوال کی تفہیم، دین کی

طرف واپسی کو گردانتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دین کی طرف واپسی سے انکی مراد کیا ہے انکا فہم دین انتہائی ناقص اور تصورِ کائنات غیر قرآنی ہے۔ وہ عروج سے مراد قوت کے حصول، شان وشوکت، جاہ وحشمت اور ایمپائر بلڈنگ سے لیتے ہیں۔ وہ قوم مسلم کی سیاسی برتری کو دوسری اقوام پر لادنا چاہتے ہیں۔ بھلا ایسا ناقص ماڈل غیر اقوام کو کیا قابلِ قبول بھی ہوسکتا ہے؟ چنانچہ یہاں ضرورت پیش آتی ہے حقیقی اسلام کی بازیافت کی، اپنے تصورِ کائنات کو درست کرنے کی، یہ جاننے کی، کہ ہم کون ہیں اور تاریخ میں ہمارا رول کیا ہے؟ قرآن ہم سے کیا چاہتا ہے؟ تاریخ کے کس موڑ پر ہم کھڑے ہیں اور مستقبل میں ہماری اسٹریٹیجی کیا ہو؟

مسلمانوں کے عروج کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کی غیر معمولی ترقی میں ان کے فہم دین، نظریہ تاریخ اور تصور کائنات کا اہم رول ہے۔ جب قرآن یہ کہتا ہے کہ ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو'۔ (آل عمران 110)۔ اُس کے ذریعے قرآن نے تاریخ میں مسلمانوں کا رول define کر دیا اور دوسری امتوں کی امامت اس شرط کے ساتھ عطا کر دی کہ ہم خدائی اسکیم کے نافذ کرنے والے اور خلیفہ ہیں۔ دوسرا اس نے یہ کیا کہ کائنات پر غور وفکر کو ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت دے دی۔ اور پھر تمام علوم حاضرہ اور متقدمہ سے اکتساب کا فن سکھایا۔ قرآن نے یہ کیا کہ قوموں کے عروج میں کارفرما عوامل سے اسرار کی چادر ہٹا دی اور بتایا کہ کائنات میں پھیلی ہوئی عظیم طاقتوں اور اصولوں کو جو قوم بازیاب کرے گی وہ اقوامِ عالم کی قیادت کے شرف سے سرفراز ہوگی۔ اس قرآنی نکتہ نظر نے جہاں ہمیں اقوام عالم کی قیادت کے اعزاز سے سرفراز کیا وہیں کائنات پر غور وفکر نے ہمیں علوم وفنون میں دنیا کی امامت عطا کر دیں۔

یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ medieval دور میں جب اسلامی تمدن اپنے عروج کی انتہا پر تھا یورپ کی تاریخ میں اسے Dark Ages کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یورپ کو علوم وفنون سے روشناس کرانے میں، انکی نشاۃ الثانیہ کی افزائش میں، صقلیہ اور اندلس میں موجود ہماری جامعات کا اہم رول رہا ہے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی شک وتردد نہیں کہ مسلمانوں کا عروج حقیقی اسلام کی بازیافت میں، فہم دین کی درستگی میں، تصورِ کائنات کی دستیابی میں پوشیدہ ہے۔ وہ حقیقی اسلام جس میں رنگ ونسل وجنس کے افتخارات، قومی وملکی تفرقات، مسلکی وفقہی تنازعات، صبغت اللہ کے رنگ میں رنگ جائیں۔ جہاں اسلام کی بالادستی، مسلم قوم کی سیاسی برتری نہ ہو کر اقوام عالم کے گائیڈ کی ہو، جہاں اقوام عالم کو اس کی رہنمائی میں تاریخ کا سفر طے کرنا ہو۔

تاریخ کے جس نازک موڑ پر آج انسانیت کھڑی ہے وہاں تاریخ ایک بے سمتی کا شکار ہے۔ آگے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ ایسے میں ہماری ذمہ داری اور بھی دوچند ہوجاتی ہے۔ مغرب کے لیے ان کا ویسٹرن لبرل ڈیموکریسی ماڈل اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود اس لیے قابل قبول ہے کہ اس ماڈل کے بالمقابل کوئی دوسرا بہتر قابل عمل ماڈل نظر نہیں آتا۔ مغرب کا ایک صاحب نظر فلسفی Oswald Spengler اپنی کتاب مغرب کا زوال، میں مغربی تہذیب کی موت کا مژدہ سنا چکا ہے۔ ایسے میں تاریخ کا اسٹیج امت مسلمہ کے لئے پوری طرح سے خالی ہے کہ وہ آئیں اور اپنے قرآنی ماڈل کے ذریعے انسانیت کی دادرسانی کرے۔ لیکن کیا ہم اس کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے ہیں؟

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اقبال

اگر ہم اپنے اندرون میں گہرائی سے جھانک کر دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ہمارا نظریہ کائنات، ہمارا تخیل، ہمارے خواب، ہمارا نظریہ عروج وزوال، ہماری ترقی کے ماڈل، قرآنی نظریہ سے میل نہیں کھاتے۔ ہم قوموں کے عروج وزوال کو سلطنتوں کی قوت وشوکت سے ناپنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کے عروج کا مطلب empire building نہیں ہے۔

نظریہ مایوسی

انسان اور شیطان کی کشمکش

تحریر ضیاء وحید

دور جدید ہو یا قدیم، ہر دور میں انسان مایوسی کا شکار ہوتا رہا ہے۔ چونکہ انسانی فطرت میں اس کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ اس لیئے انسان کو مایوسی سے بچنے کی ہدایتیں ہر مذہب کی تعلیم میں دی گئی ہے۔ مایوسی کے خاتمے کیلئے دنیا بھر میں مختلف افراد، تنظیمیں اور مذاہب کوشاں ہیں۔ قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیئے ہمیں علم ہے کہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر مسئلے پر اللہ نے قرآن میں رہنمائی فرمائی ہے۔ اسلام نے مایوسی کو کس نظر سے دیکھا ہے اور اللہ نے مایوسی کی وجہ اور اس کا کیا علاج بتایا ہے؟ اس مضمون میں اسی موضوع پر ہم گفتگو کریں گے۔

انسانی تاریخ میں سب سے پہلے مایوس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے۔ 'پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے کیا مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں سے ہوگیا' (سورۃ البقرۃ، 34)۔ اللہ نے اُس نافرمان کو ابلیس کے نام سے خطاب کیا جس نے حکم عدولی کی۔ عربی میں ابلیس کے معنیٰ 'دکھی' یا 'مایوس' کے ہوتے ہیں۔ یعنی تخلیق آدم اور تمام مخلوقات پر آدم کو فوقیت نے اس کو مایوس کر دیا اور وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوگیا جس کے بعد اللہ نے اسے "اے دکھی یا اے مایوس" کہہ کر خطاب کیا۔ اس طرح معلوم انسانی تاریخ میں ابلیس سب سے پہلا مایوس قرار پایا۔ لیکن فوری اسے اپنی اس غلطی کا احساس بھی ہو گیا جس کے بعد اس نے اللہ سے مہلت مانگی اور آدم اور ان کی ذریت کو راہ راست سے بھٹکانے کا عہد کیا۔ ابلیس نے کہا میرے رب جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں زینت کے ذریعہ ان سب کو بہکاؤں گا (سورۃ الحجر، 39)۔ اس کا عملی نمونہ اس نے آدمؑ پر پیش کیا۔ ابلیس نے آدمؑ پر سب سے پہلے اپنا داؤ پھیکا۔ اور آدم کو اُس شجر کی ترغیب دی جس سے دور رہنے کو کہا گیا تھا۔ پس شیطان نے اس کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا، اے آدم کیا میں تجھے ابدی زندگی کا درخت بتاؤں اور ایسی مملکت جس کو کبھی زوال نہ آئے (سورۃ طٰہٰ، 120)۔ آیت کی رو سے شیطان نے آدم میں مایوسی ڈالی کہ یہ درخت ہمیشگی کی زندگی والا ہے اس سے تمہیں محروم رکھا گیا ہے۔ آدمؑ پر اس کے وسوسوں نے اثر کیا اور مایوسی میں آدمؑ سے نے اللہ کی حکم عدولی کر دی۔ شیطان نے اپنی شاطرانہ چال سے آدمؑ کو بھی مایوسی میں ڈال دیا۔

شیطان کا طریقہ کار

شیطان نے اللہ سے جس وقت مہلت مانگی تھی اس وقت اللہ نے اس کیلئے ایک رہنما خطوط دے دیئے تھے کے تو کن راستوں سے اور کن لوگوں کو گمراہ کرسکتا ہے اور کس پر شیطان کو اختیار رہے گا۔ اس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل کی 64 اور 65 ویں آیت میں کیا ہے۔ "اور ان میں سے جس کسی پر تیری استطاعت ہو اسے اپنی آواز سے بھڑکا دے اور ان پر اپنے خیالات کو اور اپنے مردانہ طور طریقوں کو استعمال کرا اور ان کے اموال اور اولاد میں شراکت کرا اور ان سے وعدے کرا اور شیطان کا وعدہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ بے شک میرے بندوں پر ہرگز تیری کوئی سلطانیت نہیں ہوگی اور تیرا رب وکالت کرنے کیلئے کافی ہے"۔) سورۃ بنی اسرائیل، 65-64)۔ اللہ نے ان آیتوں میں واضح کر دیا ہے کہ شیطان کن راستوں سے انسانوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اپنی آوازوں سے یعنیٰ موسیقی، گیت اور جھوٹے مقرر کی حیثیت سے۔ پھر اپنے خیالات کے ذریعہ مطلب وسوسوں کے ذریعہ مایوسی پیدا کرنا۔ کسی نہ ملنے والی چیز کی خواہش میں لگا دیا جانا تا کہ مایوسی پیدا ہو اور کفر کی طرف انسان کو ڈھکیلا جا سکے۔ مردانہ طور طریقوں سے مطلب رعب یا ڈراووں کے ذریعہ۔ پھر مال و اولاد کے ذریعہ۔ مال کی خواہش میں انسان کوئی بھی راستہ اپنا لیتا ہے اولاد کی خوشی کیلئے کچھ بھی کر گذرنے کو تیار رہتا ہے۔ آخری راستہ وعدوں کا ہے شیطان اور اس کے ماننے والے مختلف وعدوں کے ذریعہ اچھے بھلے انسان کو خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیتے ہیں جس کا نہ ملنا انسان کو سوائے دکھ اور مایوسی کے کچھ نہیں دیتا۔ اور اللہ کہتا ہے کہ بے شک شیطان کا وعدہ جھوٹا ہے۔ اللہ نے شیطان کو اپنی حدیں بھی بتا دیں کہ جو اللہ کے خالص بندے ہیں یعنیٰ کسی بھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتے ہیں اللہ کی دی ہوئی خوشی اور غم میں اس سے راضی ہوتے ہیں ان پر تیرا زور نہیں ہوگا۔

تو معلوم یہ ہوا کہ شیطان جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں تھا آدم کی تخلیق اور ان کو کئے جانے والے سجدے نے اسے مایوس کر دیا کہ اللہ نے اس پر بھی کسی کو فوقیت دے دی۔ اب اسی مایوسی کو وہ انسانوں میں ڈال کر گمراہ اور کفر کرنے پر اکساتا ہے۔ شیطان کا یہ حربہ بنی نوع انسان کے شروعات سے ہی اس کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ اللہ کی واضح

انسانوں میں مایوسی پیدا کرنا شیطان کا سب سے بڑا اور اصل ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعہ صرف ایک انسان نہیں بلکہ پوری کی پوری قوم کو بھی مایوسی میں ڈال دیتا ہے۔ جہاں مایوسی شروع ہوئی سمجھ لیجئے کہ شیطان آپ پر کام کر رہا ہے۔ مایوسی ہی ہر برائی کی شروعات ہوتی ہے۔

ہدایت اور احکامات کے باوجود انسان اللہ سے راضی نہیں ہوتا ہے اور مایوسی کی طرف چلا جاتا ہے اور وہ اقدام اٹھا لیتا ہے جس سے اللہ نے اسے روکا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی خودکشی کے یا گمراہی کے وقعات ہوتے ہیں۔ ان سب پر نظر ڈالیئے ہر خودکشی کرنے والا کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی چیز سے مایوس ہی ہوتا ہے۔ اور گمراہ انسان بھی اپنی زندگی سے مایوس ہوکر برائیوں کی طرف چل پڑتا ہے۔ انسانوں میں مایوسی پیدا کرنا شیطان کا سب سے بڑا اور اصل ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعہ صرف ایک انسان نہیں بلکہ پوری کی پوری قوم کو بھی مایوسی میں ڈال دیتا ہے۔ جہاں مایوسی شروع ہوئی سمجھ لیجئے کہ شیطان آپ پر کام کر رہا ہے۔ مایوسی ہی ہر برائی کی شروعات ہوتی ہے۔

مایوسی یا ابلیس سے بچنے کے طریقے

شیطان کے اس حربے سے بچنے کیلئے کثرت سے ذکر الٰہی میں لگ جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار کئی مقامات پر اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ جب شیطان تم پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے تو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ شیطان پر اللہ کا ذکر غالب آتا ہے۔ مایوسی میں گھرنے والوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت اور اس پر غور وخوض میں زیادہ وقت صرف کریں تا کہ شیطان کو اپنا کام کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

اللہ سے راضی رہیں

مایوسی کی شروعات ہی اللہ سے راضی نہ ہونے سے ہوتی ہے۔ اگر اپنے مستقبل کیلئے پریشان ہیں کوئی شادی اس لیئے نہیں کر رہا ہے کہ اس کے پاس گذارنے کیلئے معقول رقم نہیں ہے اگر کوئی اپنی مصیبتوں کے نہ ختم سے پریشان ہیں تو سمجھ لیجئے کہ شیطان آپ کا دروازہ کھٹکھٹا چکا ہے۔ اس لیئے آپ کو اپنی ہر مشکل اور مصیبت اور مستقبل کے تئیں اللہ سے راضی رہنا چاہیئے۔ دعائیں قبول ہوں یا نہ ہو۔ اللہ سے ہر حال میں راضی رہنا ہی اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کو اپنی زندگی اور تقدیر پر راضی رہنا ہوگا آپ اس پر مایوس نہیں ہو سکتے۔ اللہ سے پر امید رہنا اور ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرتے رہنا۔ ہر خوشی اور ہر مصیبت میں اللہ سے راضی رہنا ہی مایوسی کو دور کر دیتا ہے۔ ایسے راضی لوگوں کیلئے اللہ جنت کا تحفہ تیار رکھا ہے۔

انسانیت کے لئے تعلیم کی اہمیت اور معمار کا کردار

عمیر کوٹی ندوی

تعلیم سے دوری کا نتیجہ

تعلیم ہر انسان کے لئے بہت ضروری ہے، خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو اور کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ تعلیم کے بغیر ایک عام انسان کے لئے عزت کے ساتھ دو وقت کی روزی روٹی کا حصول مشکل ہی نہیں روز مرہ کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے۔ سماجی رہن سہن بھی انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے انسانی آبادی کے اس حصہ پر خاص طور پر نظر ڈال لینی چاہئے جسے عام طور پر پسماندہ آبادی، غریب آبادی، جھگی جھونپڑی یا اس سے تھوڑا اوپر مڈل کلاس یعنی متوسط طبقہ کی دیہی و شہری آبادی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں جی جانے والی زندگی کو جو جتنے قریب سے دیکھتا ہے وہ اس کی تکلیفوں، درد اور سانسوں کے کرب کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ یہی نہیں وہاں مسائل کے انبار کے انبار نظر آتے ہیں۔ امراض کی بہتات اور ان کی نوعیتوں میں پیچیدگیاں نظر آتی ہیں۔ سوچ میں سطحیت، اخلاقیات میں تباہیاں، مزاج میں سختیاں پائی جاتی ہیں۔ قدم قدم پہ جھگڑے، چیخ و پکار، مار پیٹ، قتل و غارت گری، آہ و بکا اور نہ جانے کیا کیا وہاں موجود ہوتا ہے۔ رنج و الم سے دو چار کر دینے والی کب کس بات سے سابقہ پیش آجائے اور کب کون سی چیز نظر آجائے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ان سب چیزوں اور کرب ناک منظر کو دیکھ کر پہلا خیال جو ایک ہوش مند آدمی کے دماغ میں آتا ہے اور وہ چیز جس کی طرف اس کا ذہن جاتا ہے وہ تعلیم ہے۔

تعلیم کا فائدہ

تعلیم انسان کو آگاہ کرتی ہے ان باتوں سے جنہیں وہ نہیں جانتا ہے۔ وہ دور جہاں ہی نہیں اس کے قدموں کے نیچے، سر کے اوپر، آنکھوں کے سامنے اور پیٹھ کے پیچھے کی چیزوں کے بارے میں بھی بتاتی ہے۔ وہ بتاتی اور سکھاتی ہے وہ چیز جس کو جان اور سیکھ کر اس کے لئے زندگی جینا آسان ہو جاتا ہے۔ تعلیم کے ذریعہ زندگی کا جینا آسان ہو جاتا ہے، اسے دنیا کی ایک بڑی آبادی نے اچھی طرح سے جان لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آبادی کا بڑا حصہ اس کے حصول میں لگ گیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس وقت دنیا میں ہر سو چکا چوند نظر آرہی ہے۔ ہر طرف ایجادات کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور مزید لگتے جا رہے ہیں۔ ہر لمحہ تجربات ہو رہے ہیں اور ہر پل تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اس کی تیزی اور برق رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ابھی ایک چیز مارکیٹ میں ڈھنگ سے آئی بھی نہیں کہ اگلے پل اس سے ایڈوانس چیز آجاتی ہے۔ بلکہ عالم تو یہ ہے کہ بہت سی چیزیں منظر عام پر آنے سے پہلے ہی پرانی ہو جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے اور دونوں ہاتھوں سے وہ لوگوں پر اپنا خزانہ لٹا رہی ہے۔ یہ سب سامنے کی باتیں ہیں اور ہر ایک انہیں دیکھ اور برت رہا ہے۔ لیکن سامنے کی ان باتوں میں سمجھنے کی جو چیز ہے وہ یہ کہ کیوں کر ایسا ممکن ہوا؟۔ اندھے کے ہاتھ بٹیر لگ گئی ہے، اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر یہ ساری چیزیں سامنے آرہی ہیں، دنیا کی یہ چکا چوند محض اتفاق ہے۔

ہمارے ملک پر اس کے اثرات

یہ درست خیال نہیں ہوسکتا ہے، درست تو یہ ہے کہ یہ سب تعلیم کی وجہ سے ممکن ہوسکا ہے۔ تعلیم کے ذریعہ انسان وہ جان سکا جو وہ نہیں جانتا تھا اور وہ حاصل کرسکا جو اس سے پہلے وہ حاصل نہیں کرسکا تھا۔ تعلیم کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تمام اقوام اور تمام ممالک نے اس کی طرف توجہ دی ہے۔ ایران و توران کی بات نہ کی جائے اور اپنے ملک کو دیکھا جائے تو یہاں پر بھی گزشتہ دہائیوں میں تعلیم کے میدان میں نمایاں پیش قدمی نظر آتی ہے۔ 1980ء کے بعد سے ہمارے ملک میں ابتدائی تعلیمی نظام میں اسکول کی تعلیم سے محروم بچوں کا تناسب 50 فیصد سے گھٹ کر اب صرف 10 فیصد رہ گیا ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ان تین عشروں کے دوران کم وبیش 26 کروڑ بچوں کو اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کی پوزیشن میں پہنچا دیا گیا ہے۔ بچوں کو اسکول تک لانا بھی بڑی کامیابی اور بہت خوش آئند بات ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہمارے ملک کا ابتدائی تعلیمی نظام تمام تر خامیوں اور کمیوں کے باوجود دنیا کا سب سے بڑا (تعداد کے لحاظ سے) اسکول سسٹم ہے۔ اسی طرح ہمارا ملک اعلیٰ تعلیمی نظام میں دنیا کے تیسرے بڑے اعلیٰ تعلیمی نظام کا حامل ہے۔ اعلیٰ تعلیمی نظام میں طلبا کی تعداد کے لحاظ سے چین اور امریکہ کے بعد ہندوستان تیسرے نمبر پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں سے پڑھ کر نکلنے والے دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں اور یہاں کے ڈاکٹر اور انجینئر دنیا بھر میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مقصد تعلیم سے بے خبری کا نتیجہ

یہ تعلیم کا ایک رخ ہے اور دنیاوی ترقی، چمک دمک، چکا چوند اس کے ایک مقصد 'حصول دنیا' کی تکمیل ہے۔ 'حصولِ دنیا' کے مقصد نے ایک معاملہ کو تو آسان کر دیا کہ زندگی جینے کو آسان بنانے والی چیزیں قدموں میں آپڑی ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں انہیں قدموں میں لا ڈالنے کی ہوس بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ وہی تصویر جو غیر تعلیم یافتہ آبادی میں نظر آتی ہے اب تعلیم یافتہ سوسائٹی میں بھی نظر آرہی ہے۔ حرص وہوس کی وجہ سے قدم قدم پر باہم رسہ کشی ہے، جھگڑے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ اور فتنہ وفساد ہے۔ قتل وغارت گری ہے، انسان انسان کو کھائے جارہا ہے۔ منافقت کا دور دورہ ہے، کوئی کسی پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہر ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے برسرپیکار ہے۔ ان سب کی وجہ سے انسانی آبادی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کرب والم سے کراہ رہی ہے۔ ہر سو آہ وبکا، چیخ وپکار ہے۔ انسان اپنے مقام سے گر چکا ہے اور اپنی ذات سے بھی ناواقف ہوگیا ہے۔ اس صورت میں سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر تعلیم کا مقصد آگہی ہے، وہ ان باتوں کو بتاتی ہے جو انسان نہیں جانتا تھا اور ان رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے جو اب تک صیغۂ راز میں تھے تو موجودہ صورت حال اس قدر اذیت ناک کیسے بن گئی ہے؟۔ تعلیم اس قدر خطرناک اور انسانیت کو تباہ وبرباد کرنے والی کیسے بن گئی؟ اس وقت تعلیم یافتہ طبقہ جو کردار ادا کر رہا ہے اسے کیا نام دیا جائے؟۔

مقصدِ تعلیم

انسانوں کا ایک وہ طبقہ ہے جو اس وجہ سے پریشان ہے کہ اس کے پاس تعلیم نہیں ہے۔ دوسرا انسانوں کا وہ طبقہ ہے جس کی زندگیاں تعلیم یافتہ لوگوں کی وجہ سے تباہ وبرباد ہورہی ہیں۔ یہ صورت حال تعلیم کے اس پہلو سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جو انسان کو اس کے مقام اور مقصد سے روشناس کراتا ہے۔ اس پہلو کو انسانوں کے پیدا کرنے والے نے 'دین' کا نام دیا ہے۔ اسے دوسرے الفاظ میں نظام حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانوں کے پیدا کرنے والے نے تمام انسانوں کے لئے کم از کم اتنی تعلیم لازمی قرار دی ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے پیدا کرنے والے اور خود اپنے دنیا میں آنے کے مقصد کو جان سکے اور اس دنیا میں جینے مرنے اور رہنے سہنے کا سلیقہ سیکھ سکے۔ وہ انسانی زندگی اور جانور کی زندگی کے درمیان فرق کرنا جان جائے۔ جو دین آشنا ہیں وہ اپنے پیدا کرنے والے کے دئے ہوئے نظام حیات کا کم از کم اعتراف کرتے ہیں اور اسے جیتے بھی ہیں۔ لیکن جو دین ناآشنا ہیں یا دین بے زار ہیں وہ بھی اس کی افادیت کا اعتراف کئے اور اس کی مالا جپے بغیر اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس سے استفادہ کر کے تیار کی گئی چیزوں کو وہ اپنا لیبل لگاتے ہیں اور اسے 'انسانی اخلاقیات' کا نام دیتے ہیں۔ اس وقت وہ بھی ہر جگہ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ موجودہ تعلیم سے 'انسانی اخلاقیات' کو نکال دیا گیا ہے، اس کی وجہ سے سماج میں بگاڑ پیدا ہورہا ہے اور تعلیم کا غلط استعمال کیا جارہا ہے۔

مقصدِ تعلیم کی طرف توجہ

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اشاروں کنایوں میں نہیں راست طور پر اسلام کا نام لے کر اس سے استفادہ کی باتیں بھی کی جارہی ہیں۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا جب بی جے پی کے سابق لیڈر اور سابق وزیر قانون رام جیٹھ ملانی نے اسلامی کتابوں کو پڑھنے کی بات کہی تھی۔ اس سے بھی پہلے اسلامی قوانین سے استفادہ کی باتیں بھی برملا زبانوں پر آتی رہی ہیں۔ تازہ ترین معاملہ وہ ہے جس کی خبر ہندوستان ٹائمز نے دی ہے وہ یہ کہ خواتین اور بچوں کی فلاح وبہبود کی وزارت (Ministry of Child Development Welfare Women's) کی وزیر مینکا گاندھی نے طلباء کو ہفتہ میں کم از کم دو بار مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی تاکید کی ہے۔ انہوں نے خود اپنے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ 'میں نے قرآن پڑھا ہے'۔ اس موقع پر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ 'ہمارے اسکول کے دنوں میں ہمیں اخلاقی تعلیم دی گئی تھی لیکن اب یہ نہیں کیا جاتا ہے'۔ اس وقت دنیا اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے دی گئی تعلیم، رہنمائی، نظام حیات کی اہمیت کو محسوس کر رہی ہے۔ کوئی صراحتاً نام لے لیتا ہے تو کوئی ایسا کرنے میں ہچکچاتا ہے اور کوئی بغیر نام لئے اس سے استفادہ کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے کی باتیں بھی کرتا ہے۔

تعلیم و مقصدِ تعلیم کی طرف رہنمائی کرنے والے

بہرکیف ان سب باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دین، نظام حیات، اخلاقیات، انسانی اخلاقیات تعلیم کا انتہائی اہم جزء ہیں۔ ان کے بغیر یا ان سے

آزاد تعلیم انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی ہے، وہ اسے بد سے بدتر کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ تعلیم پر گفتگو کرتے وقت یا اس تعلق سے کوئی بھی قدم اٹھاتے وقت یہ پہلو ذہن میں بالکل واضح رہنا چاہئے۔ تعلیم بہت ضروری ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اس پہلو کو بھی جاننا ضروری ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے رب کا بندہ بنے، دنیا میں آنے کا مقصد جانے اور دنیا میں رہنے سہنے کا سلیقہ سیکھے۔ یہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے لیکن پوری انسانیت کے لئے کافی ہے اور پوری انسانیت کی ضرورت اتنی واقفیت اور آگاہی سے پوری ہوجاتی ہے یہ بات درست نہیں ہے۔ ضروری علم سے آگاہی بذات خود اعلان کر رہی ہے کہ 'جائے استاد خالی است' یعنی کہ استاد و ماہر کی جگہ خالی ہے۔

مقام ومنصب کو بھی رب کائنات نے بیان کر دیا ہے۔

رہنمائی کا لازمی تقاضہ

اس مقام ومنصب کے لئے جن لوگوں کو چنا گیا ہے اور دین کے علم، اس میں مہارت اور تفقہ کے حصول میں مشغولیت کے لئے جن کا انتخاب کیا گیا ہے وہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے خود کو کس طرح سے تیار کریں اور اپنے اندر کس کس قسم کی صلاحیت پیدا کریں، اس گوشے کو یونہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی رب کائنات نے واضح ہدایات دی ہیں۔ تفقہ کے دائرہ کو اسلام نے فقہ تک محدود نہیں کیا ہے بلکہ پورے دین کو اس کے دائرہ میں شامل کر دیا ہے۔ انذار وتبشیر کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اپنی قوم ومخاطب کی

انسانوں کا ایک وہ طبقہ ہے جو اس وجہ سے پریشان ہے کہ اس کے پاس تعلیم نہیں ہے۔ دوسرا انسانوں کا وہ طبقہ ہے جس کی زندگیاں تعلیم یافتہ لوگوں کی وجہ سے تباہ وبرباد ہو رہی ہیں۔ یہ صورت حال تعلیم کے اس پہلو سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جو انسان کو اس کے مقام اور مقصد سے روشناس کراتا ہے۔ اس پہلو کو انسانوں کے پیدا کرنے والے نے 'دین' کا نام دیا ہے۔

رہنمائی کرنے والے کا وجود واہمیت

اس جگہ کا تعین نہ کیا جاتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ کون سا علم ضروری ہے اور کون سا نہیں۔ کون بتاتا کہ کس کے لئے کتنا علم سیکھنا لازمی ہے۔ یہ جگہ انسانی سماج کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے غفلت نہ برتی جائے اور یہ خالی نہ رہ جائے اس لئے انسانوں کے خالق نے خود ہی اس کی ضرورت کی وضاحت بھی کر دی ہے اور کسی بھی صورت میں یہ خالی نہ رہے اس کی تاکید بھی کر دی ہے۔ اس لئے اس نے یہ ہدایت دی ہے کہ ہر طبقہ، ہر خطہ اور ہر آبادی میں سے یقیناً ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو اس جگہ کو پر کریں اور دین کا علم ہی حاصل نہ کریں بلکہ اس میں مہارت کے ساتھ ساتھ 'تفقہ' حاصل کریں۔ دین کے علم، اس میں مہارت اور تفقہ کے حصول کے بعد جب اپنے سماج میں واپس جائیں تو پھر رہبری ورہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور استاد کی ذمہ داری کو سنبھالیں۔ یہ وہ اہم کام ہے جس کے لئے افراد کی فراہمی، اس کام کے لئے وسائل وذرائع کی فراہمی اور اس کام میں ہر طرح کی معاونت وشرکت ہر سماج اور اس کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری اختیاری نہیں ہے اور نہ اس کی انجام دہی، اس کے لئے کوشش، اس میں شرکت اور معاونت رضا کارانہ ہے بلکہ اس ذمہ داری کو انسانوں کے رب نے عائد کیا ہے اور یہ ہر ایک کے ذمہ ہے۔ اسی طرح دین کے علم، اس میں مہارت اور تفقہ کے حصول میں مشغول اور اس سے فارغ ہو کر اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف لوگوں کے

زبان، ضرورت پڑنے پر ایک نہیں متعدد زبانوں، قوم کے مزاج، لیاقت وصلاحیت، دیگر ضروری علوم وفنون، وقت کے تقاضوں، ضرورتوں سے آگاہی اور پوری مہارت حاصل ہو۔ ذہن وفکر، قلب ونظر کا دائرہ محدود نہیں وسیع ہو۔ حکمت ودانائی سے ناآشنائی اور ماحولیات سے بے خبری نہ ہو بلکہ اس کی فراست اور ذکاوت ہمہ وقت اس کی رفیق ہو۔ رفیقوں کی سادہ لوحی، بھولے پن اور اغیار ورقیبوں کی چالوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شر سے نبرد آزمائی کا ہنر جانتا ہو۔ اسی کے ساتھ مصلحت پسندی اور وقت وحالات کی نزاکتوں کی سمجھ رکھتا ہو۔ حالات وقلوب کو پھیرنے اور حق کا ساتھی ورفیق بنانے کا گر بھی خوب جانتا ہو۔ نظم وضبط کی اہمیت سے بھی ناآشنا نہ ہو۔ اس کے اندر حق گوئی کی جرات اور حق پر جمنے کا حوصلہ ہو۔ غلط کو غلط کہنے اور غلط کو ترک کرنے میں اسے ذرہ برابر بھی تامل نہ ہو۔ یہ سب اس لئے ضروری ہے کہ جب وہ تفقہ کے بعد باہر نکلے اور میدان عمل میں پہنچے تو اسے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کسی بھی موقع پر اسے یہ نہ لگے کہ وہ داخلی کمی کا شکار ہے جس کی وجہ سے ذمہ داری کی ادائیگی نہیں کر پا رہا ہے۔ فراغت کے بعد خواہ وہ کہیں پر رہے لیکن ہمہ وقت وہ اسی منصب پر فائز رہے جس پر اسے اس کے رب نے فائز کیا ہے اور وہی ذمہ داری ادا کرے جو اس کے رب نے اس پر عائد کی ہے۔

یوگا
ایک منظم سازش

احسن فیروزآبادی

فرقہ پرست سیاست ہندوستانی مسلمانوں کوتنگ کرنے اورانہیں آزمائش میں ڈالنے کا جونیا حربہ استعمال کررہی ہے اس میں یوگا بھی ہے جس کے نام پر مسلمانوں ہی نہیں بلکہ دیگر حلقوں میں بھی یوگا کولے کر بحث جاری ہے۔ایسا نہیں ہے کہ یوگا بی جے پی کا کوئی نیا ایجنڈا ہے بلکہ جب جب اور جہاں جہاں بھی بی جے پی کی حکومت رہی ہے وہ یوگا کو عام کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ماضی میں بھی بی جے پی کی ریاستی حکومتیں اپنے یہاں اسکولوں میں یوگا کو لازم قرار دیتی رہی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت مسلمانوں پر ہی نہیں دیگر سبھی مذاہب پر اپنے مشرکانہ فیصلے کوزبردستی نافذکرنے کی تیاری کر چکی ہے۔نریندرمودی نے وزیراعظم بننے کے بعد ہندوتو تہذیب وثقافت کوفروغ دینے اوراس کے دائرہ کار کو ہندوستان کی حدود سے نکال کر پوری دنیا تک پہچانے کی جوکوشش کی ہے اسی کا ایک حصہ یوگا ہے۔یوگا کواقوام متحدہ سے منظور کرا کراس کے لئے ایک دن کی تخصیص ہندوتو کلچر کو بڑھانے کے سمت میں ایک بڑی کوشش ہے۔یوگا کا مقصد کیا ہے اس سلسلے میں پہلے کوئی بحث نہیں ہوتی تھی بلکہ اسے ہندو مذہب کے رہنماؤں اور سادھوسنتوں کا خاص عمل سمجھا جاتا رہا ہےلیکن اب یومِ ہوگا منائے جانے سے صرف ہندومت ہی نہیں بلکہ اسے ہندوستانی کلچر بھی مانا جائے گا۔اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر 21 جون کو دنیا کے مختلف علاقوں میں یوگا ڈے اس حیثیت سے منایا گیا کہ یہ ایک ہندوستانی کلچر ہی نہیں بلکہ ایک بہتر عمل بھی ہے۔

یوگا کا مقصد

ہندوستانی کلچراورایک بہترعمل بتا کر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بدھشٹ، جین، پارسی، یہود پر مشتمل ہندوستان کی ایک سوپچیس کروڑ آبادی پر مودی حکومت نے اپنے فیصلے کونافذ کردیا۔کہنے کوتو یوگا ایک ورزش ہے اوراس کا تعلق کسی مذہب سے نہیں ہےلیکن حقیقتاً یہ ایک دکھاوا ہے اور غیر ہندوں کے لئے صرف ایک دھوکا۔دراصل اس کے پس پردہ ہندتو اور ایک خاص کلچر کو عالمی پیمانے پر فروغ دینے کی ایک منظم سازش ہے۔ہندومت کے ماننے والے

اسے اچھے دن کے پیغام کا آغاز تصور کر رہے ہیں ۔اس لئے کہ ان کا مذہبی کلچر جو ہندوستان اور نیپال تک محدود تھا اب اس کی یہ علامت دنیا کے ہر خطے میں نظر آئے گی ۔ یوم یوگا کی تاریخ یعنی 21 جون پر بھی غور کیا جانا چاہئے ۔مودی حکومت نے یوگا DAY کی جو تاریخ رکھی ہے وہ بھی بہت کچھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ دراصل آج ہی کے دن آر ایس ایس کے رہنما ہیڈ گوار کی برسی منائی جاتی ہے۔آر ایس ایس ان کے اصولوں کو ہی رہنما اصول اوران کو ہی اصل رہنما مانتی ہے۔ اس لئے آر ایس ایس اوّل روز سے ہی ہیڈ گوار کے اصل مشن हिन्दू राष्ट्र کے سپنے کو ساکار کرنے کی جدوجہد میں کوشاں رہی ہے۔ اپنے اس مقصد یعنی हिन्दू राष्ट्र کی خاطر اور اسے پورا کرنے کے لئے آر ایس ایس نے ہر وہ کام کیا جو اسے صحیح لگا یہاں تک کہ آر ایس ایس نے تمام انسانی قدروں کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ ہندو راشٹر کے خواب کو پورا کرنے کے لئے اس کی ذیلی تنظیموں نے اس کا ساتھ دیا مگر عوام کے درمیان سب سے زیادہ کام وشو ہندو پرشد، شیوسینا، بجرنگ دل اور آر ایس کی سیاسی پارٹی بی جے پی نے کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہندو مسلم فسادات کرانے اور قتلِ عام وغیرہ سے بھی ان تنظیموں نے کوئی گریز نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی کے خون کی چھینٹیں اب بھی آر ایس ایس کے دامن پر لگی ہوئی ہیں جنہیں وہ آج تک نہیں دھو پائی ہے۔ 21 جون دراصل آر ایس ایس کے رہنما ہیڈ گوار کی برسی کا دن ہے اور ایس ایس یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ ہیڈ گوار کے ادھورے سپنوں کو پورا کرنے میں وہ آج بھی کوشاں ہے۔

یوگا کی حقیقت

اصل لفظ یوگا نہیں بلکہ یوگ ہے ۔ ہندو دھرم گرنتھوں میں لفظ یوگ کا ذکر بہ کثرت ہوا ہے۔ ان گرنتھوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستانی کلچر میں یوگ صدیوں سے رائج رہا ہے اور ہندوازم میں یوگ ایک ایسا مذہبی فلسفہ ہے جس کے ذریعہ ایشور کو یاد کیا جانا چاہئے لہذا یوگ کو آتمہ سے پرماتمہ کا ملن مانا گیا ہے۔

ہندوازم میں یوگ ایک ایسا مذہبی فلسفہ ہے جس کے ذریعہ ایشور کو یاد کیا جانا چاہئے لہذا یوگ کو آتما سے پرماتما کا ملن مانا گیا ہے۔ اس لئے یوگ میں خاص قسم کے مذہبی کلمات کی ادائیگی کو ضروری مانا گیا ہے۔ جس میں سوریہ نمسکار کو افضلیت حاصل ہے۔

اس لئے یوگ میں خاص قسم کے مذہبی کلمات کی ادائیگی کو ضروری مانا گیا ہے جس میں سوریہ نمسکار کو افضلیت حاصل ہے ۔ چوں کہ یہ ایک مذہبی عمل ہے اس لئے ہندوازم میں اس کی باقاعدہ دھارمک کتاب ”یوگ سوتر“ کے نام سے پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو یوگ کا پتا پہلی بار ۱۱رہویں صدی میں چلا جب مسلم سائنٹسٹ ابو ریحان البیرونی ہندوستان میں آئے اُنہوں نے یہاں کے سادھوسنتوں کو دیکھا جو ایک خاص قسم کا عمل بہ کثرت کیا کرتے ہیں، البیرونی نے یوگ سوتر کا ترجمہ کیا۔ تاریخ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ رسول اللہؐ کی دنیا سے رحلت کے بعد جب صوفی ازم وجود میں آیا اور صوفی ازم کے ماننے والے اسلام کے پیغام کو لے کر ہندوستان آئے تو انہوں نے بھی اس قسم کے عمل کو یہاں کے سادھوسنتوں میں دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض صوفیا کرام نے یوگ میں استعمال ہونے والے کلمات کو نکال کر یوگ کو اپنایا۔

کچھ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل بادشاہ اکبر نے یوگ میں دلچسپی دکھاتے ہوئے اس کی سربراہی کی تھی مگر اس وقت کے عام مسلمانوں نے اسے اسلام مخالف مانتے ہوئے یوگ کا انکار کر دیا تھا۔ مذہبی گرنتھوں اور تاریخ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ عمل خاص مذہبی لوگوں تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا اس لئے یوگ ہندوستانی تاریخ کے مطابق کئی بار دم توڑ چکا تھا- بیسویں صدی کے ہندوازم کے رہنماؤں نے کئی مرتبہ یوگ کو عام کرنے اور ہندوستانی عوام میں مقبولیت دلانے کی کوشش کی ہے۔ معروف آریہ سماجی رہنما سوامی ویویکا نند نے بھی یوگ کو عام کرنے کی تحریک چلائی تھی ۔ ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے میں سرگرم آر ایس آیس کے ایجنڈے میں یوگ کو ہمیشہ ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ ذہنی طور پر پریشانیوں کے شکار مغرب کے سامنے ہندو رہنماؤں نے یوگ کو ایک سکون کی پناہ گاہ کے طور پر پیش کیا جسکا مغرب نے خلوصِ دل سے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مودی حکومت UNO کو اس معاملہ متاثر کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

یوگا ہندوستانی مذاہب کی کتابوں میں

بھگوت گیتا میں یوگ لفظ کا ذکر بہ کثرت ہوا ہے۔ ہندوستانی مذہبی کتابوں کے اندر یوگ کی کوئی خاص تعریف نہیں ملتی ہے لیکن سبھی اس نتیجہ پر پہونچتی ہیں کہ ظاہری طور پر یوگ سمادھی لگانے کو کہا گیا ہے۔ اس کے معنی یوگ فل یا جوڑ کے بھی ہوتے ہیں۔

گیتا میں کہا گیا ہے کہ" (कर्मो मैं योग कर्मशु कौशलम्
(कुशलता को योग कहते हैं)" دیکھا جائے تو یہ یوگ کی مکمّل تعریف نہیں ہے۔

پتنجلی میں یوگ کے تعلق سے یوں کہا گیا ہے کہ" युगशिचत्त वर्त्ति
(पूरी तरह रुक जाने का नाम योग है)"निरोध:

وشنوں پران میں کہا گیا ہے کہ" इत्युक्त :जीवात्म योग:संयोग

मिलन ही योग:जीवात्मा और परमात्मा का पूर्णत
"कुशल चैतग्गता)बौद्ध धर्म कहता है !हैं
(कुशलचित्त
की एकाग्रता योग है(कुशल चित्त की एकाग्रता योग
है) بھاگوت گیتا میں بھی کہا گیا ہے کہ" सिद्ध्यसिद्धो समोभूत्वा
समात्वंयोगचचते

لہٰذا یوگ کی مستند کتابوں میں شوس نہتا اور گورچھ شتک کے مطابق چار طرح کے یوگ کا ذکر ملتا ہے:

मंत्रयोगों हृष्ष्चैव लययोगस्तृतीयकः।
(11 / 5,(शिवसंहिताचतुर्थो राजयोगः
मंत्रो लयो हठो राजयोगन्तर्भूमिका क्रमात्
")(गोरक्षशतकम्एक एव चतुर्धाऽयं महायोगोभियते॥

یعنی 1-منتر یوگ 2-ہٹھ یوگ 3-راج یوگ 4-لیح یوگ

چونکہ ہمارا موضوع یوگ کو سمجھانا نہیں ہے اس لئے ہم انکی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ان کا ایک ایک حوالہ سامنے رکھتے ہیں تو ونپشد میں منتر یوگ کے بارے میں کہا گیا کہ" सेवन्ते योग
"۔ہٹھ

پرادیپکہ میں ہٹھ یوگ کے بارے میں کہا گیا کہ" हकारेणोच्यते
सूर्यष्ठकार चन्द्र उच्यते।सूर्या चन्द्रमसो
र्योगाद्धठयोगोऽभिधीयते॥

اسی طرح ایک مثال یوگتو وپشد میں لیح یوگ کی یہ ملتی ہے کہ" गच्छंस्तिष्ठन
स्वपन भुंजन् ध्यायेन्त्रिष्कलमीश्वरम् स एव
۔(")23-(22लययोगः स्यात

پتنجلی میں راج یوگ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ" योगाडांनुष्ठानाद
(28 / (1शुद्धिक्षये ज्ञानदीसिरा विवेक ख्याते:")۔مہارشی پتنجلی راج یوگ کے آٹھ انگوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کٹھوپ نشد، مہابھارت بدھ ازم اور دیگر ہندو مذاہب کی کتابوں میں بھی یوگ کا ذکر ملتا ہے۔مختصر یہ کہ ہندو دھرم گرنتھ یہی بتاتے ہیں کہ یہ ایشور کو یاد کرنے کا ایک خاص عمل ہے۔

یوگا ایک سنگین مسئلہ

ہندوستان میں یوگا ایک مسئلہ ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک مذہبی مسئلہ بن کر کھڑا ہو گیا ہے، یوگا کے ذریعہ سے بعض حضرات مسلمانوں میں ہندو مسلم ایکتا کا جذبہ اور دیش پریم کی بھاونا جانچنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوششوں کو انجام دینا چاہتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ معاملہ بھی وندے ماترم جیسے مسئلے سے الگ نہیں ہے۔ اس لئے مسلم قیادت کے لئے یوگا پر فیصلہ کرنا ایک نیا چیلنج سمجھا جا رہا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے قبل جب وندے ماترم کے مسئلہ پر مسلمانوں کو گھیرنے اور زبردستی اس کا پابند بنانے کی کوشش کی گئی تھی تو مسلم قیادت نے ایک آواز ہو کر اس مشرکانہ عمل کی تردید کی تھی مگر اب ماجرا ہی کچھ اور ہے۔ کچھ نام نہاد مسلم رہنما اسے محض ورزش کا نام دے رہے ہیں تو کچھ لوگ اسے مکمّل طور پر شریعت مخالف قرار دے رہے ہیں تو کچھ حضرات یوگا میں استعمال ہونے والے کفریہ اور شرکیہ کلمات کو مستثنیٰ کرنے کے بعد اس کے جواز کے قائل ہیں۔

یوگا اسلامی نقطۂ نظر سے ایک مسلمان کلمۂ طیبہ کا حامل ہوتا ہے یعنی وہ ہر حال میں اللہ کو اپنا معبود برحق اور محمّد رسول اللہ کو اس حیثیت سے اللہ کا پیغمبر مانتا ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت ہی مکمّل اور قابلِ اتباع ہے۔ اس تعلق سے ایمان کی دو کیفیتیں ہیں۔ 1-باطنی ایمان۔2-ظاہری ایمان۔

باطنی ایمان یہ ہے کہ انسان دل سے تسلیم کرے کے اللہ ہی عبادت و پرستش کے لائق ہے اس نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدہ کیا ہے۔" ہم نے انسان اور جن کو صرف اس غرض کے لئے پیدہ کیا کہ وہ صرف ہماری ہی عبادت کریں" (قرآن، الزاریات-56)۔ اللہ ہی حاجت روا ہے، وہی مشکل کشا ہے اور وہی اس کائنات کا تنہا بادشاہ و مالکِ برحق ہے۔ اسکی مرضی کے بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ اسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم کرے اور صرف اسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ سماجی، سیاسی، اخلاقی و معاشی قانون بنائے۔ گویا اسے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے کہ خدا کے پیغمبر کا لایا ہوا دین مکمّل ہے۔"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمّل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اس بات کو پسند کیا کہ تمہارا دین اسلام ہو" (قرآن، المائدا، 44)۔

ظاہری ایمان یہ ہے کہ اس نے جو کچھ سمجھا، جانا اور مانا ہے اور جو کچھ اس نے خدا اور اس کے رسول کی لائی ہوئی شریعت کے تعلق سے تسلیم کیا ہے لہذا اس کے قول و فعل سے اس کی تصدیق ہونی چاہئے۔ اسلام صرف لفظی جمع خرچی کا نام نہیں ہے بلکہ اس حرکت و عمل کا نام ہے جس کی بناء پر وہ اللہ رب العزت کے یہاں جوابدہ

ہے۔ اس لئے اللہ نے اسلام کے ماننے والوں کو ایسے عمل سے بھی دور رکھا جس کے کرنے پر شرک کی کوئی گنجائش نکالی جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے سامنے پانچ وقت جھکنے والا مسلمان جب جنازہ کی نماز پڑھتا ہے تو رکوع وسجود ادا نہیں کرتا مطلب یہ کہ نمازِ جنازہ میں میت کو نمازیوں کے سامنے رکھا جاتا پھر نماز پڑھی جاتی ہے، اس نماز میں سے رکوع وسجود کو اس لئے نکال دیا گیا کہ دیکھنے والا یہ نہ سمجھے کہ مسلمان میت کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو شرک ہی سے نہیں بلکہ شرک کے شبہ تک سے دور رکھنا چاہتا ہے اور عبادت کو خالص اللہ ہی کے لئے قرار دیتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الہٰ نہیں ہے۔ آخر تم پرہیزگاری کیوں اختیار نہیں کرتے؟" (الاعراف 65)۔ صرف اللہ ہی جو زمین اور آسمان کا حقیقی مالک ہے اور صرف اللہ کی عبادت کی جانی چاہئے۔" وہی ایک آسمان میں بھی معبود ہے اور وہی ایک زمین میں بھی معبود ہے اور وہ حکمت والا اور علم والا ہے" (زخرف)

یوگا میں سوریہ نمسکار کا عمل خاص ہے اس لئے بی جے پی گورمینٹ تمام ہی اسکولوں میں سوریہ نمسکار کو لازم کروانے میں دن رات ایک کر رہی ہے آر ایس ایس کے منصوبے اس حد تک کامیاب ہو چکے ہیں کہ جہاں جہاں بی جے پی اور آر ایس ایس اور اس ذیلی تنظیموں کا اچھا رسوخ ہے وہاں وہاں اسکولوں میں سوریہ نمسکار کو لازم کر دیا گیا ہے۔ یہ سیکولر ہندوستان میں پنپ رہی ایک ایسی سازش ہے جس کے ذریعہ سے ہندو تشدد پسند مشنریز کو تقویت حاصل ہو اور مسلم قوم کے بچّوں کو عملی اور ظاہری طور پر غیر دینی عمل میں ملوث کیا جا سکے اور آگے چل کر کسی خطرناک کاروائی کو انجام دیا جا سکے جسے مسلم رہنماؤں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سوریہ نمسکار کے قائل حضرات یہ جان لیں کہ سورج چاند وغیرہ کو کسی بھی درجہ میں پوجنے نمن کرنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے اس تعلق سے قرآن صاف فرماتا ہے۔" اور اس کی (اللہ کی) نشانیوں میں سے رات اور دن سورج اور چاند ہیں، نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا

> سوریہ نمسکار کے قائل حضرات یہ جان لیں کہ سورج چاند وغیرہ کو کسی بھی درجہ میں پوجنے نمن کرنے کی اجازت اسلام میں نہیں ہے اس تعلق سے قرآن صاف فرماتا ہے۔" اور اس کی (اللہ کی) نشانیوں میں سے رات اور دن سورج اور چاند ہیں، نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، سجدہ کرو اس خدا کو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو
> (حم السجدہ-37)

کیا اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو" (حم السجدہ-37)۔ لہذا جو نام نہاد مسلمان اس بات کے قائل ہیں کے سوریہ نمسکار کے کرنے میں کوئی حرج نہیں بس مخصوص کلمات نہ دوہرائے جائیں تو سراسر گمراہی پر ہیں کیونکہ قرآن کی روح سے یہ ایک شرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی نے سورج کے غروب اور طلوع ہونے کے وقت نماز نہ پڑھنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے کیونکہ دنیا کی بہت سی قومیں ان ہی اوقات میں اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتی ہیں۔

اگر سوریہ نمسکار اور دیگر کفریہ کلمات کو وہاں سے ہٹا بھی دیا جائے تو بھی ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ یوگا کرے کیوں کہ بہر صورت یہ ہندو مذہب کی عبادت سے وابستہ ایک خاص عمل ہے جس میں استعمال ہونے والے الفاظ شرکیہ اور کفریہ ہیں ایسے میں اس یوگا کا پابند اگر ہر ایک کو بنایا جاتا ہے تو پھر یہ ہندوستان کے سیکولزم کے لئے بدنما داغ ہوگا جہاں اپنی ذہنیت اور مذہبی عمل کو مسلمانوں پر جبراً لادنے اور ان کے دین پر حملہ کرنے کے مترادف قرار پائے گا کیوں کہ اسلام کی نظر میں یہ شرک اور کفر ہے۔ جو اسے محض ورزش کا نام دے رہے ہیں اور وہ مسلمان جو ان کے فریب میں آ رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیوں کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ایشور کے دھیان کے ساتھ ساتھ جسمانی قواعد کا بھی دخل حاصل ہے اگر یوگ اس عمل کا نام ہے تو ایک مسلمان دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے جس میں خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ جسمانی قواعد کا بھی دخل رہتا ہے۔ تمام مسلم رہنما جماعتوں کو چاہئے کہ وہ اس غیر اسلامی عمل کی کسی بھی صورت میں حمایت نہ کریں اور یہ اعلان کریں کہ ہندوستان میں مسلمان توحید پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاریں گے۔

ادارے کا تعارف

پانڈیچری یونیورسٹی

محمد معاذ

جنوبی ہند کے مردم خیز ساحلی علاقے میں واقع پانڈیچری یونیورسٹی ۱۹۸۵ء میں مرکزی حکومتِ ہند کے ذریعے قائم کی گئی۔اس اہم دانش گاہ کے قیام کا مقصد بنی آدم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانا ہے تاکہ وہ ایک طرف خود اپنے آپ سے روبرو ہوسکے تو دوسری جانب اسرارِ کائنات سے واقفیت حاصل کرلے۔اس مرکزی تعلیمی ادارے کی حیثیت ایک Collegiative University کی ہے جس کے تحت انڈمان نکوبار، لکش دیپ اور پانڈیچری کے کالج آتے ہیں۔

فی الوقت اس یونیورسٹی سے منظور شدہ کالجوں میں پڑھنے والے طلباء کی کل تعداد ۵۰۰۰۰ تک ہے جن میں دس ہزار طلباء فاصلاتی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ تقریباً ۶۵۰۰ طلباء یونیورسٹی کیمپس میں زیر تعلیم ہیں۔

دیگر مرکزی یونیورسٹیوں کی طرح پانڈیچری یونیورسٹی میں بھی ریسرچ اور تدریس دونوں ہی میدانوں میں کام کیے جاتے ہیں۔یونیورسٹی سے منظور شدہ کالجز Puducherry، Karaikol، Mahe، Yanam اور انڈمان ونکوبار جزائر میں قائم ہیں۔فی الوقت یونیورسٹی میں ہندوستان کے سبھی علاقوں سے تعلق رکھنے والے طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔گیارہویں پنج سالہ منصوبہ کے بعد یہاں طالبات کے لیے مفت دارالاقامہ، معذور طلباء کے لے مفت تعلیم اور مفت دارالاقامہ کا نظم کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں بینائی سے محروم طلباء کے لیے اسپیشل دارالمطالعہ کی سہولت بھی یہاں موجود ہے۔یونیورسٹی احاطہ کی تمام عمارتیں معذور طلباء کی پریشانیوں کے مدِ نظر معذوروں کے لیے موزوں ہیں۔

محلِ وقوع

یونیورسٹی کیمپس تقریباً ۷۸۰ ایکڑ کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ شہر چنئی سے یونیورسٹی تک کا فاصلہ ۱۶۸ کلومیٹر ہے۔

لائبریری

یونیورسٹی کی لائبریری کا نام آنند رنگا پلائی ہے جو کہ ستمبر ۱۹۸۶ء میں قائم کی گئی تھی۔ موجودہ لائبریری کی عمارت ۱۹۹۰ء میں تعمیر کی گئی۔ اس وسیع وعریض لائبریری میں ۱۷۵۰۰۰ کتابوں کا ذخیرہ ہے اور ۱۰۰۰۰ رسائل وجرائد مجلد شکل میں اہلِ ذوق کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔

کمیونٹی ریڈیو اسٹیشن

یونیورسٹی کے احاطے میں Puduvai Vaani کے نام سے ایک ریڈیو اسٹیشن قائم ہے۔ اس اسٹیشن کو U.G.C. کی مدد سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ ریڈیو اسٹیشن FM 107.8 MHz پر کام کرتا ہے۔ اس کا دائرہ ابلاغ ۲۰ مربع کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ Puduvai Vaani کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اندر زندگی اور ماحول کو بدلنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے۔ ساتھ ہی انہیں تعلیم، معرفت اور معلومات عامہ فراہم کی جائیں تاکہ ان کے اندر بیداری پیدا ہوسکے۔ خواتین میں بیداری اور انہیں خودمختاری عطا کرنا، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ، صحت اور تعلیم وغیرہ کے میدانوں میں Puduvai Vaani اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس ریڈیو اسٹیشن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کیمپس میں موجود طلباء کی مخفی صلاحیتوں کو بے حجاب کیا جائے اور انہیں پروان چڑھایا جائے۔ C.R.S. کے پلیٹ فارم سے یونیورسٹی کے دیگر شعبوں کے طلباء بھی سماج اور کمیونٹی کے لیے پروگرام تخلیق کر کے نشر کر سکتے ہیں۔

سبر امنیم بھارتی اسکول برائے تمل زبان وادب

اس اسکول کے تحت تمل زبان وادب سے متعلق اعلیٰ تعلیم کا نظم ہے۔

اسکول آف مینجمنٹ

اس اسکول کے تحت درج ذیل شعبے آتے ہیں:

1. Department of Management Studies
2. Department of Commerce
3. Department of Economics
4. Department of Tourism Studies
5. Department of Banking Technology
6. Department of International Business

Karaikal Campus:

1. Department of Management
2. Department of Commerce

رامانجن اسکول آف میتھمیٹکل سائنس

اس اسکول کے تحت درج ذیل شعبوں میں اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے مواقع مہیا ہیں:

1. Department of Mathematics
2. Department of Statistics

اسکول آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی

اس اسکول کے تحت انجینئرنگ اور ٹکنالوجی کے میدانوں میں تکنیکی مہارت اور ریسرچ کے مواقع موجود ہیں۔ درج ذیل شاخوں میں انجینئرنگ کے کورسس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے:

1. Computer Science and Engineering
2. Electronics Enggineering
3. Center for Pollution Control and Environmental Eng
4. Geological Technology

اسکول آف فیزیکل، کیمیکل اور اپلائیڈ سائنس

اس اسکول کے تحت درج ذیل شعبے سائنس کے میدانوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں:

1. Department of Physics
2. Department of Chemistry
3. Department of Earh Sciences
4. Department of Applied Psychology

اسکول آف لائف سائنس

اس اسکول کے تحت درج ذیل مضامین اور شعبہ علم میں اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے مواقع حاصل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر پیشہ وارانہ نوعیت کے ہیں:

1. Biochemistry and Melecular Biology
2. Biotechnology
3. Ocean Studies and Environmental Science
4. Coastal Disaster Management
5. Food Science and Technology
6. Centre for Bioinformatics (BIF)
7. Deparment of Micro Biology

اسکول آف ہیومینٹیز

اس اسکول کے تحت درج ذیل زبانوں اور دیگر مضامین کی تعلیم کا نظم ہے:

1. English and Camparative Literature
2. French
3. Hindi
4. Sanskirit

5. Philosophy

6. Physical Education and Sports

7. Escande Chair in Asian Christian Studies

اسکول آف سوشل سائنس اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز

اس اسکول کے تحت درج ذیل مضامین میں پیشہ وارانہ، اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے مواقع حاصل ہیں۔ اس اسکول کے تحت دو مراکز اور ایک انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہے:

1. Anthropology
2. Archaelogy
3. History
4. Politics and International Studies
5. Social Work
6. Sociology
7. Centre for Woman's Studies
8. Madanjeet Singh Institute of South Asia Regional Cooperation Centre for South Asian Studies
9. Centre for Study of Social Exclusion and Inclusive Policy

اسکول آف ایجوکیشن

اس اسکول کے تحت تعلیم وتدریس کے میدانوں میں پیشہ وارانہ اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے مواقع موجود ہیں۔ اس اسکول کے تحت ایک مرکز برائے تعلیم بالغاں (Centre for Adult and Continuing Education) بھی قائم ہے۔

اسکول آف میڈیا اینڈ کمیونیکشن

اس اسکول کے تحت لائبریری اور انفارمیشن سائنس سے متعلق کورسس میں داخلہ لیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں میڈیا سے دلچسپی رکھنے والے طلباء کے لیے یہاں Department of Electronics Media and Mass Communication بھی قائم ہے جو کہ پیشہ ورانہ کورسس اور اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

مدن جیت اسکول آف گرین انرجی ٹیکنالوجیز

اس اسکول کے تحت دو مراکز قائم ہیں جو کہ سائنس کے میدان میں جدید علوم سے روشناس کراتے ہیں یہ مراکز درج ذیل ہیں:

1. Centre for Nano Science and Technology
2. Centre for Green Energy Technology

سینٹرل انسٹرومینٹل فیسلٹی

سینٹرل انسٹرومینٹل فیسلٹی کا قیام UGC پلان اسکیم کے تحت ۱۹۹۲ میں کیا گیا۔ اس اسکیم کا مقصد سائنسی آلات کی مرمت اور سروسنگ ہے۔ سال ۲۰۰۵ء میں اس مرکز کو اسکول آف کیمیکل، فزیکل اور اپلائڈ سائنس کے تحت کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں ورکشاپ کی سہولت کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔ اس سینٹر کے تین ذیلی مراکز قائم ہیں یعنی

1. Mechanical Shop
2. Glass Blowing Shop
3. Electronic Shop

پانڈیچیری یونیورسٹی جنوبی ہند کی ان چند یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے، جہاں کثرت میں وحدت کا منظرنامہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ایک طالب علم اپنی شخصیت کے ہمہ جہتی ارتقاء کے مواقع پاتا ہے اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں مزید سنوارنے کی فکر کرتا ہے۔

ابھی امکان ہے اس کا، کوئی دن درد زندہ ہو
کوئی شب ہم جنوں خیزوں کی آہِ سرد زندہ ہو

فلک چاہے تو برسے ٹوٹ کر اپنے بسیرے پر
زمیں چاہے تو شق ہو کر ہمارے پیر سے نکلے

اس کا ہے زیاں، ہم سا اگر اک فرد زندہ ہو
کسی کے بال و پر میں آرزوئے گرد زندہ ہو

سجاد خالد

اسلامیات کا مطالعہ

موجودہ ہندستان میں

شاہ اجمل فاروق ندوی

علوم اسلامی کے ارتقاء میں ہندستان کا کردار متعدد ناحیوں سے بحث وتحقیق کا موضوع بن چکا ہے۔ اس موضوع پر بھی تحقیقات ہو چکی ہیں کہ ہندستان کے ارتقاء میں اسلامی علوم نے کیا کردار نبھایا۔ جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں اور حق کرتے ہیں کہ اسلام اپنے اندر ہر دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو یہ بحث خود بہ خود اپنے انجام تک پہنچ جاتی ہے کہ اسلامی علوم نے ملک کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہوگا۔ اب اس پرانی بحث کو زندہ کرنے کے بجائے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع میں مستقبل کے امکانات پر غور کیا جائے۔ یعنی یہ بحث شروع کی جائے کہ اسلامی علوم موجودہ ہندستان کی تعمیر میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ یہ بحث ملک کے حفاظتی نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے اور اسلامیات کی ابدیت وہمہ گیری کو ثابت کرنے کے نقطۂ نظر سے بھی۔ ملک کو خطرات سے محفوظ کرنے کے لیے بھی ہمیں اس بحث کو پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنی توجہ کا مرکز بنانا ہوگا اور اسلام کی آفاقیت اور ابدیت کو دنیا کے سامنے علمی انداز سے پیش کرنے کے لیے بھی۔ ۲۰۱۴ کے پارلیمانی انتخابات کے بعد ملک میں جو ماحول بنایا جا رہا ہے، اُس کے پیش نظر اس بحث کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

موجودہ دور میں ہندستان کو کئی بڑے مسائل درپیش ہیں۔ سیاسی طور پر سب سے بڑا خطرہ فرقہ واریت کا ہے۔ ایک انتہاء پسند نظریات کی حامل جماعت مرکز میں برسرِ اقتدار ہے۔ ملک کے عوام کو فرقوں میں تقسیم کرنا اور جمہوریت کو روند کر ایک فرقے کی بالادستی قائم کرنا، اُس کی اولین ترجیح ہے۔ اور تو اور، خود بابائے قوم موہن داس کرم چندر گاندھی (۱۸۶۹۔ ۱۹۴۸) کے نظریات جاں بہ لب ہیں۔ اُن کو قتل کرنے والا دہشت گرد ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ عدلیہ سخت دباؤ کا شکار ہے اور انتظامیہ پوری طرح حکومت کی ہم نوا۔ میڈیا ''جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس'' کو اپنے لیے راہِ عمل بنائے ہوئے ہے۔ کوئی حقِ صحافت ادا کر رہا ہے تو اُس کا مستقبل غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہے۔ ان حالات میں علوم اسلامی کے ماہرین اور اسلامیات کے اسکالرز کی ذمے داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ آگ کا علاج پانی ہی ہوتا ہے۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ فرقہ پرستی کے زہر کا تریاق اتحاد واتفاق، ہمدردی اور بھائی چارہ ہے۔ اسلامیات کے اندر اس بات کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ اس تریاق کو ایک نظریے (Theory) کے طور پر ملک کے سامنے پیش کرے اور پھر اس نظریے کی بنیاد پر ایک متحدہ انسانی سماج کی تشکیل کر کے بھی دکھا دے۔ اسلامیات کے ماہرین اور طلبہ کو یہ ذمے داری ادا کرنی ہی ہوگی۔ قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اسلامی اور تاریخ اسلامی سے اُن تعلیمات اور مثالوں کو ملک کے خواص وعوام کے سامنے پیش کرنا ہوگا، جو قوموں کے آپسی میل جول اور تعلقات وروابط کی آئینہ دار ہیں۔ تکثیری سماج کے اصول وضوابط باشندگان وطن کو بتانے ہوں گے۔ تاریخ کو کنگھال کر ایسے واقعات نکالنے ہوں گے، جن میں کسی ظالم حکمراں یا بدعنوان حکومت کا مقابلہ مختلف مذاہب کے ماننے والے عوام نے کیا ہو۔ ساتھ ہی بحث وتحقیق کے بعد یہ مسئلہ بھی حل کرنا ہوگا کہ اگر دو مختلف قوموں کے درمیان کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے، جو متحدہ معاشرے کی وحدت کو پارہ پارہ کر سکتا ہو، تو اُس معاملے کو کن بنیادی اصولوں کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلے کو حل کر کے اُن فتنہ پرور طاقتوں کے پر کترے جا سکتے ہیں، جو ملک میں کسی حال امن وامان اور بھائی چارے کی فضا باقی نہیں رہنے دینا چاہتیں۔

ملک کو دوسرا بڑا خطرہ ذاتی مفادات کے لیے ملک کو برسوں پیچھے دھکیلنے اور اپنے وقتی فائدے کے لیے ملک کے مستقبل کو نقصان پہنچانے کے بدترین رویے کا ہے۔ یہ رویہ اعلیٰ ترین سیاسی رہنماؤں میں بھی موجود ہے اور ایک ادنیٰ ترین عام آدمی میں بھی۔ ایک عام شہری راستہ چلتے سڑک پر تھوک کر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے تو سیاسی رہنما سرمایہ داروں کے ہاتھوں ملک کے قیمتی سرمائے کو اونے پونے داموں پر فروخت کر کے نقصان پہنچاتے ہیں۔ موجودہ حکومت نے تو اس میدان میں گزشتہ تمام حکومتوں سے آگے بڑھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ انتہائی غیر معقول مقاصد کے لیے کی جانے والی نوٹ بندی اور پھر ایک ناقابل فہم قانون جی ایس ٹی لاگو کر کے حکومت سرمایہ داروں کو ہر حال میں خوش رکھنا چاہتی ہے۔ عوام کی اسے کوئی فکر نہیں ہے۔ دوسری طرف عوام ہے کہ اسے آپس میں ایک دوسرے شہری کو لوٹنے کھسوٹنے، دھوکہ دینے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس کی اس حرکت سے ہم وطن کو دکھ پہنچے گا، ملک کا ماحول خراب ہوگا، صلاحیتیں ضائع ہوں گی اور ملک کی شبیہ خراب ہوگی۔ وہ بس اپنا وقتی فائدہ دیکھتا ہے۔ اس چکر میں دوسرے کا بڑے سے بڑا نقصان بھی اسے گوارا ہوتا ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ اسلامیات کا کوئی سنجیدہ طالب علم اس صورت حال سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ اُس کی ذمے داری ہے کہ وہ وطن کے متعلق حکمرانوں اور عوام کے فرائض، حکمراں طبقے پر اپوزیشن کے حقوق اور اپوزیشن پر حکم راں کے حقوق، عوام پر حکومت کے اور حکومت پر عوام کے حقوق، ریاست کے سرکاری سرمائے کی حیثیت، ریاست کے مفادات کے لیے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہریوں کی مشترکہ جدوجہد کے اصول وضوابط، شہریوں کے آپسی حقوق وفرائض اور تمام شہریوں کے اندر وطن دوستی کا اعلیٰ ترین جذبہ پیدا کرنے کے امکانات کو اسلامیات کے سیاق میں پیش کرے۔ ان موضوعات کو اپنی تحقیقات اور غور وفکر کا موضوع بنائے۔ اس ذمے داری کو ادا کر کے بہ یک وقت متعدد فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اس سے ملک کی سلامتی کے امکانات بھی پیدا ہوں گے، وطن کو نقصان پہنچانے کا رویہ بھی کم زور پڑے گا، مثبت انسانی جذبات پروان چڑھیں گے، اسلامیات کے مطالعے کے نئے نئے گوشے بھی سامنے آئیں گے اور دنیا کے سامنے اسلامی علوم کی ابدیت وآفاقیت بھی آئے گی۔

ملک کو درپیش مسائل میں ایک اور بڑا مسئلہ ملک کی تہذیبی وراثت کے تحفظ کا ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ حکومت اپنے علاوہ دوسری تمام قوموں کے تہذیبی آثار اور علامات کو مٹا دینا چاہتی ہے۔ ویسے تو ہر ملک کے لیے تہذیبی وراثت بڑی اہمیت رکھتی ہے، لیکن ہندستان کے لیے اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہندستان کا اصل تعارف یہی ہے کہ یہ ملک تہذیبوں اور تمدنوں کا ملک ہے۔ ہزاروں برس پرانی تہذیبوں کے آثار اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے یہ ملک آج بھی مختلف مذاہب اور قوموں کا سنگم ہے۔ ہڑپا سے لے کر انگریزوں تک، نہ جانے کتنی تہذیبوں کے نشانات اس ملک کے کونے کونے میں ثبت ہیں۔ یہ ملک ایسا دل کش واقع ہوا ہے کہ ہر تہذیب اور قوم کو اپنے اندر سموتا گیا اور اسے اپنے قدرتی ذخائر سے فیض یاب کرتا گیا۔ غرض یہ کہ صدیوں پرانی تہذیبی وراثت ہی ہمارے ملک کی اصل پہچان ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری موجودہ حکومت سے وابستہ افراد خود ہی ملک کی اصل شناخت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی محدود عقل اور ناقص فہم کی بناء پر وہ ملک کو بس ایک تہذیب کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ تہذیبی ورثے کے تحفظ کا مسئلہ آج ہر ذمے دار شہری کو پریشان کر رہا ہے۔

اس مسئلے کے علمی حل کے لیے بھی ماہرین اسلامیات کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے۔ تہذیبی وراثت سے متعلق موضوعات کو اپنی بحث وتحقیق اور گفت وشنید کا موضوع بنانا چاہیے۔ اس حوالے سے اسلامیات میں کیا کچھ موجود ہے؟ تہذیبی وراثت کو اسلام کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس کے تحفظ کے لیے کیا کچھ کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ اسلامی تاریخ میں ان وراثتوں کے متعلق حکم رانوں کو کیا رویہ رہا؟ خلافت راشدہ اور اس کے بعد اموی، عباسی اور عثمانی دور کی تہذیبی وراثتیں کیا کیا تھیں؟ ان حکومتوں میں ان کا کیا حال تھا اور آج کیا حال ہے؟ دنیا کی دیگر متمدن اقوام میں ان وراثتوں کے متعلق کیا نظریہ پایا گیا؟ آج کی ترقی یافتہ قومیں انہیں کس نظر سے دیکھتی ہیں؟ اگر اسلامیات کا مطالعہ کرنے والے ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کریں تو وہ موجودہ ہندستان میں تہذیبی وراثت کے مسئلے کو سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے میں اہم کردار نبھا سکتے ہیں۔

ان تین اہم مسائل کے علاوہ آج کے ہندستان کو اور بھی مسائل درپیش ہیں۔ یہ تمام مسائل دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے بھی اٹھا سکتے ہیں، لیکن اسلامیات کے شعبے سے وابستہ افراد ان مسائل کو جس خوبی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں، کوئی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اُن کے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں وحی الٰہی موجود ہے۔ چالیس سال پر مشتمل نبوی دورِ حکومت اور خلافت راشدہ کا وہ مبارک نظام موجود ہے، جس کا مقابلہ پوری انسانی تاریخ میں کوئی دوسری حکومت نہیں کر سکتی۔ کئی صدیوں تک بلا شرکتِ غیرے علمی، تحقیقی وفنی دنیا کی قیادت کی شان دار تاریخ موجود ہے۔ لہٰذا اسلامیات کا ایک طالب علم ان موضوعات کو جس طرح اٹھا سکتا ہے، دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن یہ موضوعات سخت محنت، سنجیدگی ومتانت اور فکری اعتدال و توازن چاہتے ہیں۔ ان موضوعات کو چھیڑنے کے لیے شریعت اسلامی کے اصل مصادر، اسلامی تاریخ کے ماٰخذ، جدید تحقیقات سے واقفیت اور حالات پر گہری نظر ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ عملی اقدامات کرنے کے لیے ہم وطن محققین واسکالرز کے ساتھ مل کر جامع حکمت عملی تیار کرنے اور اسے کام یابی کے ساتھ نافذ کرنے کی صلاحیت بھی درکار ہوگی۔ یہ کام کسی ایک فرد کا نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑے اسلامی مدارس، یونی ورسٹیوں میں اسلامیات کے شعبوں، دینی تنظیموں اور تحقیقی مراکز کو تیار ہونا ہوگا۔ کام ذرا محنت طلب تو ہے، لیکن اسلامیات سے وابستگی کا تقاضا ہے کہ اس کی ادائی کے لیے قدم اٹھایا جائے۔

مجروح سلطانپوري

کو یاد کرتے ہوئے

ڈاکٹر قمر صدیقی

گھر پر فرصت کے اوقات میں ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے، بازار میں اپنی پسندیدہ برانڈ کی اشیاء خریدتے ہوئے یا بہت سارے شور وغوغا اور مردہ باد، زندہ باد کے نعروں کے درمیان ووٹ ڈالتے ہوئے کبھی ہم نے سوچا ہے کہ ظلم پرت در پرت کتنا متنوع ہوا ہے۔ روزی کمانے اور روزی خرچ کرنے کے درمیانی وقفے میں یہ ظلم و جبر اور استحصال کتنے روپ اور کتنے بھیس بدل کر ہمارے سامنے آتا ہے، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ زرعی دور کے مخصوص ظلم کے مقابلے مشینی دور کے ظلم کے طور طریقے کچھ علاحیدہ ہیں۔ ظلم اب کسی مخصوص شخص جنس، مذہب اور روایت تک محدود نہیں بلکہ اب تو سب سے بڑا مسئلہ اس کی حدوں کا تعین ہی ہے۔ کبھی معاشرہ ظالم ہوتا ہے، کبھی فرد، کبھی مرد ظالم ہوتا ہے، کبھی عورت۔ سماج کے ہر ذمہ دار فرد کے لیے، ایک شاعر، ایک ادیب کے لیے، ایک ازم (Ism) کے لیے، ایک حکومت کے لیے وقت کے ہر آن بدلتے اس رنگ روپ سے آشنا ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ نا آشنائی کا انجام وہی ہوتا ہے جو سوویت یونین کا ہوا۔ بہر کیف ہمارے شعرا میں مجروحؔ صاحب کے یہاں ادوار کے روپ رنگ کی ان تبدیلیوں کا احساس اپنے دیگر معاصرین سے شدید تھا۔ لہٰذا ان کی شاعری سکہ بند ترقی پسندی کی محدودیت کا شکار نہیں ہوئی۔ وحید اختر مرحوم نے سچ ہی لکھا ہے کہ:

’’جدید غزل کی تشکیل اور توسیع میں مجروحؔ کا نام ناصرؔ کاظمی اور ظفرؔ اقبال سے پہلے آنا چاہئے۔‘‘

جلا کے مشعلِ جاں ہم جنوں صفات چلے
جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے

ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

وحید اختر کے اس خیال کی توثیق مجروح سلطانپوری کے اشعار کرتے ہیں۔کسی تلاش وتحقیق کے بغیر یہ چند اشعار جوان کے مجموعے میں سامنے آ گئے پیش ہیں۔

اہل طوفاں آؤ دل والوں کا افسانہ کہیں
موج کو گیسو بھنور کو چشم جانانہ کہیں

تشنگی ہی تشنگی ہے کس کو کہیے مے کدہ
لب ہی لب ہم نے تو دیکھے کس کو پیمانہ کہیں

میرے ہی سنگ وخشت سے تعمیر بام ودر
میرے ہی گھر کو شہر میں شامل کہا نہ جائے

جس ہاتھ میں ہے تیغ جفا اس کا نام لو
مجروحؔ سے تو سائے کو قاتل کہا نہ جائے

اس نظر کے اٹھنے میں اس نظر کے جھکنے میں
نغمۂ سحر بھی ہے آہ صبح گاہی بھی

شمع بھی اجالا بھی میں ہی اپنی محفل کا
میں ہی اپنی منزل کا راہ بر بھی راہی بھی

کام آئے بہت لوگ سر مقتل ظلمات
اے روشنیٔ کوچۂ دلدار کہاں ہے

مذکورہ بالا اشعار کا کلاسیکی لہجہ اور اشعار کے موضوعات ترقی پسند تہذیب کے علی الرغم ایک جداگانہ تہذیب سے قاری کا تعارف کرواتے ہیں۔یہ اشعار بھیڑ کے نہیں فرد کے اشعار ہیں۔ان شعروں میں درد و غم اور ظلم واستحصال کی مختلف پرتوں کو فرد کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے۔ایسے اشعار مجروح کے یہاں کثرت سے ہیں، پروفیسر وحید اختر نے اسی لیے کہا تھا کہ جدید غزل کی تشکیل وتوسیع میں مجروح سلطانپوری کا نام ناصر کاظمی اورظفر اقبال سے پہلے آنا چاہیے۔

مجروحؔ صاحب کی شاعری میں کلاسیکی لہجہ قدرے نمایاں ہے اور یہ انھیں کا اعجاز ہے کہ اپنی شاعری میں کھردرے حقائق کو بیان کرتے ہوئے بھی تغزل کو برقرار رکھا ہے:

وہ جس پہ تمہیں شمع سر رہ کا گماں ہے
وہ شعلۂ آوارہ ہماری ہی زباں ہے

اے فصل جنوں ہم کو پئے شغل گریباں
پیوند ہی کافی ہے اگر جامہ گراں ہے

وہ تو گیا یہ دیدۂ خوں بار دیکھیے
دامن پہ رنگ پیرہن یار دیکھیے

دست منعم مری محنت کا خریدار سہی
کوئی دن اور میں رسوا سر بازار سہی

غزل کی شعریات میں مضمون اورمعنی آفرینی کے ساتھ ساتھ کیفیت کے شعر کا بھی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ کیفیت کا شعر مضمون اور معنی سے آزاد ہوتا ہے۔شمس الرحمن فاروقی نے لکھا ہے کہ ''کیفیت کے تعلق سے خاص بات یہ ہے کہ کیفیت کے شعر میں مضمون کی خوبی تھوڑی بہت سہی ،ہوتی ضرور ہے۔البتہ معنی بہت کم ہوتے ہیں۔کیفیت کہتے بھی اسی کو ہیں کہ ہم معنی اور مضمون کے وفور کے بغیر شعر سے جذباتی طور پر متاثر ہو جائیں۔''مجروحؔ صاحب کی شاعری میں کیفیت کی مثال بھی جگہ جگہ دیکھی جا سکتی ہے اور مضمون آفرینی اور معنی آفرینی کی جلوہ فرمائی بھی:

جلا کے مشعلِ جاں ہم جنوں صفات چلے
جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے

ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

مجروحؔ لکھ رہے ہیں وہ اہل وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہ گار کی طرح

کوئی ہم دم نہ رہا کوئی سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

ممبئی سے متصل ضلع تھانہ میں ایک مشہور شہر بھیونڈی ہے۔اپنی پاورلوم صنعت کے لیے دنیا بھر میں مشہور یہ شہر ۲۰ ویں صدی کے دو بڑے واقعات کا گواہ ہے۔ایک تو ۱۹۸۴ کا فساد اور دوسرا ۱۹۴۹ میں ترقی پسند مصنفین کی آل انڈیا بھمڑی کانفرنس۔پاورلوم کی کھٹر پٹر میں مصروف اس شہر کے بیشتر لوگ آج بھلے ہی ۱۹۴۹ کی اس کانفرنس کو بھول چکے ہیں مگر اردو ادب کی تاریخ میں یہ آج بھی زندہ ہے۔بنے بھائی (سجاد ظہیر) کی قائدانہ صلاحیت ،بیدی، کرشن چندر، نیاز حیدر، خواجہ احمد عباس کی تخلیقی خوش نظری ،علی سردار جعفری کی علیمت آمیز سرداری ،کیفی کا کیف، مجاز کا سرور سبھی کچھ تو موجود تھا وہاں، اور وہیں اسی دن ڈاکٹر علیم نے غزل کے خلاف یہ تجویز اتفاق رائے سے پاس کروا دی تھی کہ ''غزل ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی'' یہ اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔مخالفت کی اس آندھی کے سامنے مجروحؔ صاحب نے غزل کے چراغ میں سیاسیات اور سماجیات کا روغن ڈال کر یہ ثابت کر دیا کہ غزل کی وسعت کبھی محدود نہیں ہو سکتی اور یہیں سے اردو غزل میں سیاسی رمزیت کی ابتداء ہوئی۔واقعات کو اگر بھمڑی کانفرنس کے پس منظر میں دیکھیں تو مجروحؔ صاحب نے یہ ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا۔

Welcome To Nowhere

شام میں خانہ جنگی جاری ہے جو کہ حکومت اور اس کے اتحادیوں اور حکومت کے خلاف مختلف قوتوں کے درمیان لڑی جانے والی ایک مسلح جنگ ہے۔ یہ جنگ 2011 میں شروع ہوئی، جس نے اس خوبصورت ملک کے تمام حصے کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ ایک ظالمانہ قسم کا تنازع بھی ہے- ایک خانہ جنگی- جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی ملک میں لوگ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، پڑوسی اپنے پڑوسی کے خلاف اور حکومت اپنی ہی عوام کے خلاف جنگ کر رہی ہے۔ اب جب کہ شام کی یہ خانہ جنگی اپنے ساتویں سال میں داخل ہو چکی ہے، اب تک تقریباً 465000 سے زائد شامی شام کی لڑائی میں مارے جا چکے ہیں، ایک لاکھ سے زائد زخمی اور 12 ملین سے زیادہ شامی اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب Welcome to Nowhere ایک بہترین اور خوبصورت کہانی ہے جو کہ ایک شامی لڑکے عمر اور اس کے خاندان پر مشتمل ہے۔ بارہ سالہ عمر، شام کے ایک خوبصورت اور متحرک شہر بوسرا میں پیدا ہوا اور وہیں بڑا ہوا تھا، اسکول جانے میں اسے دلچسپی نہیں ہے، لیکن سیاحتی مقامات پر پوسٹ کارڈز فروخت کرتا ہے اور ایک کامیاب تاجر بننے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ عمر کا بڑا بھائی موسی، جو نفسیاتی مرض کا شکار ہے، وہ انقلاب کے لئے اپنے طور پر ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے۔ جب کہ اس کی بہن ایمان اپنی تعلیم مکمل کرنے اور ایک استاد بننے کے لئے پرعزم ہے۔ عمر کے والد بھی سیاحت میں کام کرتے ہیں لیکن حکومت کے لئے یہ کتاب Welcome to Nowhere جنگ اور اس کے نتائج سے متعلق ہے۔ جب شام میں جنگ ختم ہوگئی تو حالات بہت خراب ہو گئے۔ گولیاں، بمباریاں، مظاہرے اور جنازے، سب روزمرہ کے معمول کا ایک حصہ بن گئے۔ اس کے بعد عمر اور اس کے خاندان کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر اس علاقے سے ہجرت کر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بچا، اس بات سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کتنی دور جاتے ہیں، کیونکہ وہ وطن کے کسی کنارے پر بھی چلے جائیں لیکن جنگ کے بادل ان پر منڈلاتے رہتے ہیں اور اس کے سائے ان کا تعاقب کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے وطن سے نکل کر اور پر خطر سفر طے کرتے ہوئے پڑوسی ملک اردن میں پناہ گزیں کی حیثیت سے پناہ نہ لے لیں۔ عمر اور اس کے خاندان ہی کی طرح لاکھوں شامی لوگوں کو اپنے گھروں کو چھوڑنے اور پڑوسی مما لک میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ یہ خوبصورت ناول انعام یافتہ مصنف 'الیزابتھ لیرڈ' کے ذریعہ لکھا گیا ہے، جنہوں نے اردن میں موجود شامی پناہ گزینوں کے کیمپوں کا معائنہ کیا اور وہاں دو سال تک رضاکارانہ خدمات انجام دیں۔ وہاں ان کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی، ان کے حالات دیکھنے اور ان کی آپ بیتی سننے کے بعد ان کے ضمیر نے انہیں یہ کتاب Welcome to Nowhere لکھنے پر ابھارا۔ شام کی صورتحال اور وہاں کے لوگوں پر بیتنے والے حالات کو سمجھنے کے لیے یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

عبید الرحمن

خاص کتاب

خاص کام

گناہ ایک سنگین ومہلک ترین روحانی مرض ہے، اللہ کی نافرمانی اور گناہ وہ مضر شے ہے جس سے انسان کے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو جاتا ہے، لیکن اس کا بہترین علاج توبہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے، غلطی اور گناہ کرنا اس کی جبلت میں داخل ہے، مگر بہترین گناہ گار وہ ہے جو اپنے گناہوں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہائے اور اپنے کیے پر اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے، معافی مانگے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ توبہ، انہیں تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، ایک یہ کہ جو گناہ سرزد ہو جائے اس پر دل سے ندامت وشرمندگی اور پشیمانی ہو، دوسرے یہ کہ جو گناہ ہو اس کو فوراً چھوڑ دے، تیسرے یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم (پکا ارادہ) ہو، ان ہی تین چیزوں کے مکمل ہونے پر توبہ تکمیل تک پہنچتی ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”توبہ انسان کی پہلی، درمیانی اور آخری منزل ہے، بندہ سالک اُسے کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتا، مدت تک توبہ اور رجوع کی حالت میں رہتا ہے۔ اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر اختیار کرتا ہے تو توبہ اس کا رفیق ہوتا ہے جہاں وہ جائے، پس توبہ بندہ کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی، بلکہ ابتدا کی طرح موت کے وقت اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔“ توبہ دل کا نور ہے، نفس کی پاکیزگی ہے، توبہ انسان کو اس حقیقی زندگی کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ: اے غافل انسان! آؤ! قبل اس کے کہ زندگی کا قافلہ کوچ کر جائے اور موت اپنی تمام ترحشر سامانیوں کے ساتھ آموجود ہو، توبہ کرنے والوں کی ہم نشینی اختیار کرلیں، کیونکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ قبر محض ایک گڑھا نہیں، بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ پس جس کی ابتدا توبہ اور رجوع سے روشن اور چمکدار ہوگی، اس کی انتہا بھی نور مغفرت سے منور ہوگی، جو اللہ کی طرف رجوع اور توبہ میں اخلاص اور سچائی کو اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے خاتمہ بالخیر کی توفیق عطا فرمائے گا۔ توبہ کے لیے کسی غلطی کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ توبہ خود ایک عبادت ہے جس کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

بے بس ہے

☆ آنکھ بے بس ہے آنسو کے سامنے
☆ دل بے بس ہے دماغ کے سامنے
☆ زندگی بے بس ہے موت کے سامنے
☆ انسان بے بس ہے قدرت کے سامنے
☆ خوشی بے بس ہے غم کے سامنے
☆ دن بے بس ہے رات کے سامنے
☆ نفرت بے بس ہے محبت کے سامنے
☆ جاہل بے بس ہے عالم کے سامنے
☆ کاہل بے بس ہے جفاجو کے سامنے

اعجاز اسلم، پرکٹ

ذرا ہنسئے تو سہی

مالک نوکر سے: ابھی تم جا کیوں رہے ہو۔؟
نوکر: اس لئے کہ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔
مالک: تمہیں گھر کی ساری چابیاں تو دے رکھی ہے پھر اعتماد کیسے نہیں۔؟
نوکر: مگر جناب ان میں سے ایک بھی تجوری کو نہیں لگتی۔

ٹیچر: (طلباء سے) کرکٹ میچ پر کوئی مضمون تحریر کیجئے۔
تمام طلبہ مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے لیکن ایک طالب علم خالی بیٹھا۔
ٹیچر: کیوں نہیں لکھ رہے ہو۔
طالب علم: کیونکہ بارش کی وجہ سے میچ ملتوی ہو گیا ہے۔

محسن رضا، گوا

شیطان کا انٹرویو

محمد عرفان پٹیل، نظام آباد

جناب ابلیس المعروف شیطان صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں دنیا کے ہر خطے میں جانی پہچانی شخصیت ہیں آج کل بہت کم لوگ ہیں جو ان سے متاثر نہیں ہیں ان کو نیکی سے سخت نفرت ہے انسان کو صراط مستقیم سے ہٹانا ان کا پہلا مشن ہے۔ چند دن قبل ان کے آفس بمقام فریب نگر، خیانت روڈ میں ملاقات ہوئی تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ ماہنامہ رفیق منزل دہلی کے شمارے کیلئے ان کا انٹرویو لے لیا جائے۔

س: آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی۔؟

ج: (مسکراتے ہوئے) میں نے پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔

س: پی ایچ ڈی مگر کس مضمون میں۔؟

ج: دھوکہ دہی میں۔

س: آپ کن لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔؟

ج: ٹی وی، سیل فون اور انٹرنیٹ پر مشغل رہنے والوں سے۔

س: آپ کو سب سے زیادہ ڈر کس سے لگتا ہے۔؟

ج: (پریشان ہوتے ہوئے) اللہ والوں سے۔

س: آپ کا پسندیدہ کھیل۔؟

ج: (خوش ہوتے ہوئے) ایک دوسرے کے درمیان جھگڑے پیدا کر دینا۔

س: آپ کا مشن (مقصد) کیا ہے۔؟

ج: اولاد آدم کو گمراہ کرنا ہی میرا مشن ہے اور میں پہلے کے مقابل اب زیادہ کامیاب ہو رہا ہوں۔

س: کوئی ایسے لوگ ہیں جو آپ سے بھی بڑھ کر اس مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔؟

ج: ویسے تو آج دنیا کے ہر خطے کے لوگ میرے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں اور کئی معاملوں میں تو انہوں نے مجھے بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

س: رمضان المبارک آچکا ہے اس تعلق سے آپ کی کوئی منصوبہ بندی۔؟

ج: ہاں! ہاں! کیوں نہیں اس ماہ میں تو ہم قید کر دیئے جاتے ہیں اسی لئے میری لوگوں کو خاص طور سے بچوں کو خدا کی عبادت سے دور کرنے کی منصوبہ بندی جاری ہے میں ابھی سے ہی بچوں کو ویڈیو گیم اور کھیل کود میں مصروف کر رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ٹی وی پر ایسے پروگرام نشر کر رہا ہوں جس کی وجہ سے بچے ٹی وی کو چھوڑنا ہی نہیں چاہیں گے۔

س: اگر آپ کو ایک دن کیلئے کسی ملک کا حکمران بنا دیا جائے تو۔؟

ج: آپ بھی کمال کرتے ہیں دنیا کے تین چوتھائی حصے پر پہلے سے ہی میری حکمرانی ہے اور آپ مجھے کسی ایک ملک کا حکمران بنانا چاہتے ہیں اور وہ بھی صرف ایک دن کیلئے۔

س: اچھا ابلیس صاحب! آپ کی طویل صحت کا راز کیا ہے۔؟

ج: بدی کے بیج دھوکہ دہی کے دستے سے پیس کر جھوٹ کے چولہے اور برائی کی تیز آنچ پر پکا کر صبح و شام ''خودغرضی'' کے چمچے سے استعمال کریں اور نہانے سے پرہیز کریں۔

س: آپ کے ماننے والوں کیلئے شیطانی پیغام۔؟

ج: ہاں ہاں! کیوں نہیں رمضان المبارک شروع ہو چکا ہے ہم تو جکڑ دیئے جائیں گے اسی لئے اب آپ لوگ اپنا زیادہ تر وقت ویڈیو گیمس، ٹی وی، موبائیل، انٹرنیٹ پر ہی گذاریں اور ہو سکے تو اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لے لیں۔

نجیب احمد کی گمشدگی اور سی بی آئی کا رویہ

جے این یو کے طالب علم نجیب احمد کی گمشدگی کے معاملے میں سی بی آئی کی تحقیقات کی سست روی پر پریشانی وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے، ایس آئی او کے صدر نحاس مالا نے ہائی کورٹ کے کسی موجودہ یا ریٹائرڈ جج کے زیر نگرانی تفتیش جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔

انہوں نے سی بی آئی پر اے بی وی پی کی کٹھ پتلی کی طرح کام کرنے کا الزام لگایا۔ ایک سال کی تحقیقات کے بعد بھی مرکزی ایجنسی نے نجیب کے معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں کی ہے. دہلی ہائی کورٹ میں پیش ہونے والی آٹھویں رپورٹ میں بھی امید نظر نہیں آتی۔

برادر نحاس نے سی بی آئی کے اس دعوے پر ناراضگی ظاہر کی جس میں انہوں نے نجیب کے گمشدہ ہونے سے پہلے کسی سے لڑائی جھگڑا ہونے کے ثبوت نہ ملنے کی بات کی ہے۔ حد تو یہ کہ انہوں نے ابھی تک اے بی وی پی کے غنڈوں سے کوئی پوچھ گچھ کرنے کی جرأت بھی نہیں کی۔ نحاس مالا نے کہا کہ سی بی آئی ایک خودمختار ادارہ ہے اور اس کی ذمہ اری ہے کہ وہ بنا کسی کے دباؤ میں آکر معاملے کی تحقیقات کرے۔

اینٹی سٹرلائٹ مظاہرین کو ایس آئی او کی حمایت

حال ہی میں اینٹی سٹرلائٹ مظاہرین نے گزشتہ تین ماہ کے لئے سٹرلائٹ پلانٹ پر فوری بندش کے لئے غیر متشدد احتجاج کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ گزشتہ بائیس مئی کے روز اس احتجاج کو سو دن مکمل ہونے والے تھے اور ان لوگوں کو ملکی و غیر ملکی سطح پر حمایت حاصل ہو رہی تھی۔ اس دن عوام نے مکمل ایک دن کے لئے دکانوں کو بند کر کے اور سٹرلائٹ پلانٹ کے سامنے غیر متشدد مظاہرہ کر کے احتجاج کیا۔ عین اسی وقت جب مظاہرین ڈسٹرکٹ کلکٹریٹ آفس کی جانب بڑھ رہے تھے، پولیس نے ان مظاہرین پر لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس کے فائر کیے۔ اس دوران ایک خاتون سمیت نو افراد ہلاک ہوئے اور بہت سے لوگ شدید طور پر زخمی ہو گئے۔

تامل ناڈو پولیس کے رویے میں حالیہ برسوں میں اس طرح کے منفی رجحانات سامنے آئے ہیں۔ پولیس کا یہ غیر انسانی سلوک اس وقت بھی سامنے آیا جب گزشتہ دنوں خواتین مکمل شراب بندی کی مانگ کر رہی تھیں، جلی کٹو مظاہرین کے خلاف اور کٹھیر امنگلم کے لوگوں کے خلاف بھی پولیس کا طرزِ عمل سامنے آیا ہے۔ صوبہ کے وزیر اعلیٰ کو ان واقعات کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے کیونکہ فائرنگ انہیں کے ایماء پر کی گئی۔ ایک جمہوری حکومت لوگوں کے حق میں کام کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے، نہ کہ ان کا قتل عام کرنے کے لئے۔

ایس آئی او حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ پولیس فورس کے ذمہ داران اور عوام کے خلاف اقدام کرنے والوں کے خلاف فوری طور پر قانون کے مطابق کارروائی کی جائے اور سٹرلائٹ تانبے کے پلانٹ کو فوری طور پر بند کیا جائے، اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس طرح کے واقعات مستقبل میں نہ دوہرائے جائیں۔ ایس آئی او حکومت سے مزید مطالبہ کرتی ہے کہ مرنے والے افراد کے خاندانوں کو معاوضہ دیا جائے اور ہر خاندان کے کم از کم ایک فرد کو سرکاری ملازمت دی جائے۔

فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی

نئی دہلی، ایس آئی او آف انڈیا نے اسرائیل کی جانب سے جاری فلسطین کے غزہ شہر میں گولی باری کی شدید مذمت کی۔ یروشلم میں امریکی سفارت خانے کے افتتاح کے خلاف احتجاج کرنے والے شہریوں پر اسرائیلی حملے میں 52 سے زائد شہریوں کی موت کی خبر ہے۔ نام نہاد مہذب دنیا کو اس بربریت کے سامنے اپنی خاموشی پر شرمندہ ہونا چاہئے۔

نحاس مالا (صدر، ایس آئی او) نے بین الاقوامی برادری کو متوجہ کیا کہ فوری طور پر اس خطے میں سالوں سے جاری اسرائیلی مظالم کے خلاف مداخلت کرے۔ یہ امر انتہائی قابل مذمت ہے کہ بار بار تحقیقات کے باوجود امریکی ریاستی محکمہ نے نہ صرف یہ کہ اسرائیلی جارحیت کا دفاع کیا بلکہ الٹا حماس کو حملوں کے ذمہ دار قرار دیا۔

صدر نحاس مالا نے مزید کہا کہ فلسطینی طبعی موت نہیں مر رہے ہیں، انہیں بین الاقوامی سطح پر غیر قانونی قبضہ کرنے والی جارح طاقت کی جانب سے نشانہ بنایا جا رہا اور ہلاک کیا جا رہا ہے۔ ایس آئی او فلسطینیوں کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کرتی ہے اور اُن کی پُر عزم جدوجہد کی تائید کرتی ہے۔